یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ
(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدموں کو جما دیگا)
تبلیغی جماعت
کا
تاریخی جائزہ
محمد ایوب قادری
شمسی
(مرصع رقم)
مکتبہ معاویہ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

محمد ایوب قادری

مکتبہ معاویہ
11/6 بی ون ایریا، لیاقت آباد، کراچی 19

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

کتاب	تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ
مؤلف	محمد ایوب قادری
تعارف	جناب مفتی محمد شفیع صاحب صدر دار العلوم کراچی
پیش لفظ	جناب مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی
بار اول	ایک ہزار
سال طباعت	رجب المرجب ۱۳۹۱ھ ستمبر ۱۹۷۱ء
مطبوعہ	انجمن پریس کراچی
قیمت	تین روپے مجلد چھ روپے

بہ اشتراک فارقلیط اکادمی عزیز آباد کراچی

فہرست

باب چہارم
میوات میں دینی انحطاط

باب پنجم
میوات میں علماء کی تبلیغی کوششیں

باب ششم
عیسائیت اور آریہ سماج کی تحریکیں

باب ہفتم
مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی اور میوات سے تعلق

باب ہشتم
مولانا محمد الیاس اور تحریک دعوت و تبلیغ

باب نہم
مولانا محمد یوسف اور تحریک کی وسعت

باب دہم
پاکستان میں تبلیغی جماعت کا کام

ابتدائیہ

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے وصال کے دو سال بعد اپریل سنہ ۱۹۶۷ء میں مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹ نے ان کی تقاریر اور مکتوبات جمع کرکے "مرقع یوسفی" کے نام سے شائع کیے۔ راقم الحروف نے اس کتاب پر مقدمہ لکھا تھا اور اس مقدمہ میں برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ اسلام کا مختصر سا تاریخی جائزہ پیش کیا۔ میوات میں اسلام کی اشاعت کا حال خاص طور سے بیان کیا۔ یہ داستان ۶۴ صفحات پر مشتمل تھی حضرت مولانا مرحوم و مغفور کی تقاریر و مکتوبات کی برکت سے اس مقدمے کو بھی مذہبی و علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی ملک کے کئی رسائل و جرائد نے اس کو نقل کیا بعض اہل الرائے حضرات نے زور دیا کہ یہ مقدمہ بعد نظر ثانی کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

خاکسار نے اپنی بے بضاعتی اور مصروفیات کے باوجود رمضان سنہ ۱۳۹۰ھ میں اس مقدمے پر نظر ثانی کا ارادہ کیا خیال تھا کہ ایک آدھ ہفتے میں یہ کام ختم ہو جائے گا مگر جب قلم کا مسافر روانہ ہوا تو اس نے تحقیق و تلاش کی وادیوں میں سرگردانی شروع کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقدمہ مذکور کے خاکے یا اساس پر مستقل ایک نئی کتاب وجود میں آگئی۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے دوسرے میں میوات میں اسلام کا داخلہ تیسرے میں مسلم حکومت کا استحکام چوتھے میں میوات میں دینی انحطاط اور پانچویں باب میں میوات میں علما کی تبلیغی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے چھٹے باب میں عیسائیت اور آریہ سماج کی تحریکوں کا ذکر ہے تاکہ۔

تبلیغی دعوت اور جدوجہد کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے ساتویں، آٹھویں اور نویں باب میں تبلیغی جماعت کے ارکان ثلاثہ مولانا محمد اسمٰعیل، مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسفؒ کے حالات اور تبلیغی کارناموں کا ذکر ہے۔

درحقیقت اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ برصغیر پاک وہند میں تبلیغ اسلام کی ایک مکمل، مفصل اور مستند تاریخ لکھی جائے افسوس کہ اب تک یہ کام نہ ہو سکا اور اس کام کا آغاز بھی کیا تو ایک غیر مسلم نے۔ ہماری مراد ٹی۔ ڈبلو۔ آرنلڈ سے ہے کہ جنہوں نے ۱۸۹۶ء میں Preaching of Islam. کتاب لکھی جس کا اس زمانے میں اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا تھا۔ اس کتاب کا نواں باب ہندوستان سے متعلق ہے جو نہایت مختصر اور تشنہ ہے ملک میں بڑے بڑے سرکاری اور غیر سرکاری علمی ادارے ہیں ان کو یہ کام کرنا چاہیئے مگر ان کو اپنے منصوبوں اور مصلحتوں سے فرصت نہیں ملتی۔ لہٰذا ایسے کتنے ضروری قومی کام التوا میں پڑے ہوتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں کتابیات اور اشاریہ بھی شامل ہے۔ میں مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے تعارف اور پیش لفظ لکھ کر ہمت افزائی فرمائی۔

محمد ایوب قادری
یکم ستمبر ۱۹۷۱ء

اے/۱۷۴/این
نارتھ ناظم آباد کراچی ۳۳

تعارف

کرم فرمائے محترم جناب محمد ایوب قادری صاحب ایم۔اے نے اپنی تازہ تالیف "تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ" کا مسودہ مطالعہ کے لئے مجھے عنایت فرمایا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کی ہوئی تبلیغی جماعت نے عالم اسلام میں تبلیغ دین کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ضرورت تھی کہ اس کی مفصل تاریخ مرتب کی جائے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب محمد ایوب قادری صاحب نے اس کی طرف پیش قدمی کی۔ اللہ نے موصوف کو برصغیر کی علمی و دینی شخصیتوں اور ان کی خدمات کے بارے میں قابل رشک معلومات سے نوازا ہے چنانچہ یہ کتاب بھی ان کی اس قابلیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

کتاب کو باستیعاب پڑھنے کا موقعہ نہیں مل سکا، مگر جستہ جستہ مختلف مقامات سے دیکھا۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مؤلف نے کتنی محنت اور جستجو کے ساتھ اسے مرتب کیا ہے۔ نام کے اعتبار سے تو یہ صرف ایک تبلیغی جماعت کی تاریخ ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں مسلمانوں کی ان تمام تبلیغی کوششوں کا تذکرہ آگیا ہے جو حضرت محمد ابن قاسم علیہ الرحمۃ کے وقت سے آج تک برصغیر میں کی گئی ہیں۔

اس ضمن میں عیسائی مشنریوں کی تحریک۔ آریہ سماج تحریک اور ان کے مقابلے پر علماء اسلام کے کارناموں کی تاریخ پر بھی جامع اشارے اس کتاب میں آگئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع اور مفید بنائے۔ اور یہ عنداللہ و عندالناس مقبول ہو۔

بندہ محمد شفیع

(صدر دارالعلوم کراچی) ۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

پیش لفظ

الحمدللہ وکفی والسلام علی عبادہ الذین اصطفے۔ افضل الخلائق سید المرسلین نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے آخری رسول و نبی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نبی و رسول کی بعثت ہوئی ہے نہ ہوگی۔ آپ کا لایا ہوا دین کامل اور ابدی ہے۔ قیامت تک یہ دین باقی رہے گا۔ اور قرآن وسنت کی روشنی شاہراہ حیات دنیاوی سے؛ لیکر میدان قیامت تک ہماری رہنمائی کرتی رہے گی۔ اسلام کی بقائے دائمی کے جو انتظامات حق تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک بہت اہم انتظام یہ ہے کہ اس امت کے صالحین اور علماء میں سے بعض کو ایک خاص فہم وبصیرت سے نوازا جاتا ہے جس سے وہ امت کے مصالح اور مفاسد کا ادراک کر لیتے ہیں اور حصول مصالح یا دفع مفاسد کے لئے من جانب اللہ صحیح ومناسب تدبیر کا ان کے قلب پر القاء کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنی ایمانی فراست اور روحانی بصیرت سے یہ بات سمجھ لیتے ہیں کہ امت، دین کے کس شعبہ کے بارے میں کوتاہی کر رہی ہے اور اس کا کیا سبب ہے اور اس وقت کس مرض میں مبتلا ہے اور مرض کے جراثیم جسم کے کس حصے میں پوشیدہ ہیں اور کس تدبیر و علاج سے اس سے شفا حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے عام صالحین کے درمیان ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کی صف میں انھیں مخصوص اور بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس ؒ ان ہی ممتاز اولیاء اللہ کی صفوں میں شامل ہیں۔

جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہوتا ہے جنہیں خدمت دین واصلاح امت کا کام سپرد کیا جاتا ہے حضرت موصوف کی وفات کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے ہیں۔ راقم السطور کو بھی موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، ان کی تبلیغی واصلاحی تحریک بھی بہت معمر نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس کی نشوونما بہت تیزی کے ساتھ ہوئی اور گویا دن دونی رات چوگنی ترقی کے مصداق بن گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے لیکن اس کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ اس کی ابتدا دیکھنے والے خاصی تعداد میں موجود ہیں تاہم زمانے کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کی اصل بنیاد زمانہ کے حجابات کی وجہ سے مستور نہ ہو جائے لائق شکریہ ہیں جناب پروفیسر محمد ایوب قادری جنہوں نے خطرے کا ادراک برمحل کرلیا اور اس انقلاب انگیز تحریک کی تاریخ مرتب فرمائی جو آپ کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک عام طور پر "تبلیغی تحریک" اور اس میں حصہ لینے والی جماعت "تبلیغی جماعت" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اس قدر متعارف ہے کہ اس کا تعارف تحصیل حاصل ہے لیکن اس کی بیرونی روشنی آنکھوں کو شدت سے ساتھ متاثر کر کے کبھی اس کی حقیقت و بنیاد کے لیے حجاب بھی بن جاتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ دو کلمے اس کی حقیقت کے متعلق عرض کر دیئے جائیں جن سے تحریک میں حصہ لینے والوں میں سے بھی بہت کم واقف ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس کے سامنے سوال یہ تھا کہ دینی مدارس موجود ہیں مگر ان میں طلبہ کی کمی کیوں ہے اسلامی مکاتب قائم ہیں مگر پڑھنے والے بچوں کی قلت ہے۔ مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم کیوں نہیں دلاتے وعظ ہوتے ہیں مگر سننے والے معدودے چند ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے خانقاہیں خالی ہوتی جارہی ہیں علما کے یہاں عوام کی آمد و رفت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے یہ سوالات

تھے۔ جن کا جواب یہ معلوم ہوا کہ غذائیں تو بہترین موجود ہیں مگر امت کی بھوک غائب ہو گئی ہے۔ آب حیات کے چشمے ابل رہے ہیں مگر امت کو پیاس نہیں ہے۔ تربیت کے ذرائع اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے وسائل بکثرت موجود ہیں مگر امت میں طلب نہیں ہے۔ ان کی تحریک کا ماحصل اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا حاصل کرنے کی طلب پیدا کرنا ہے یہی ان کی تحریک کا جوہر اور اس کی روح ہے۔ جماعت کے دفاتر، اجتماع گاہیں، خانقاہیں اور مدارس نہیں بلکہ اس تحریک سے خانقاہیں آباد ہوتی ہیں اور مدارس رونق و ترقی پاتے ہیں۔ جو شخص تحریک کو اس زاویے سے دیکھے گا وہ اسے صحیح طریقے سے سمجھ سکے گا اور صحیح طور پر اس میں کام کر سکے گا جو اس حقیقت سے ناآشنا ہوگا تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

بلاشبہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا جس کی وجہ سے انہوں نے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے اپنی فراست ایمانی اور بصیرت وہبی سے قلب امت پر نظر کر کے اس کی بہت سی بیماریوں کے اسباب کو دریافت کر لیا اور ہدایت الٰہی کی رفاقت و روشنی میں اس کا علاج دریافت فرما کر اسے عملی جامہ پہنایا۔

زیر نظر کتاب اس تحریک کی تاریخ کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کی بھی تاریخ ہے مجموعی طور پر قادری صاحب نے ایسا قیمتی اور مفید سرمایہ جمع کر دیا ہے جو موجودہ دور کے علاوہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی بہت مفید ہوگا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی کہنگی اس کی قدر و قیمت میں اور اضافہ کرتی رہے گی قادری صاحب اپنی علمی و دینی خدمات کے اعتبار سے علمی دنیا میں مشہور و معروف ہیں ان کی تالیفات و تراجم میں تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ماثر الامراء (اردو ترجمہ) وقائع عبدالقادر

خانی مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، مولانا محمد احسن نانوتویؒ، مجموعہ وصایا اربعہ، مقدمہ فضائل صحابہ و اہل بیتؓ وغیرہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ہمارے خیال سے یہ کتاب "تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ" اس اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے کہ یہ ایک زندہ اور فعال تحریک کی تاریخ ہے اور اس کے اوراق و ابواب میں انشاء اللہ مزید اضافہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ موصوف کی ان دینی خدمات کو قبول فرماکر دنیا و آخرت میں اجر جزیل عطا فرمائے اور مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

۹ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ — محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ

۵ مئی ۱۹۷۱ء — مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی

باب اول
تاریخی پس منظر

محمد ابن قاسم کا دور

برصغیر پاک و ہند میں عربوں کے تجارتی تعلقات کا سلسلہ آغاز اسلام سے بہت پہلے ملتا ہے مگر ظہور اسلام کے بعد عہد خلافت ہی میں مسلمانوں کے قدم مغربی پاکستان کے سرحدی علاقوں میں پہنچ گئے تھے ۹۳ھ/۷۱۲ء میں سب سے پہلے محمد ابن قاسم نے سندھ میں اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسلامی ثقافت و مذہب اور نئے نظام حکومت نے اس علاقے میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ سندھ کے پس ماندہ لوگوں کو انسانی حقوق ملے اور وہ راجاؤں، ٹھاکروں، پروہتوں اور برہمنوں کی چیرہ دستیوں اور جبر استبداد سے آزاد ہوئے محمد ابن قاسم نے فتوحات اور قیام حکومت کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کی طرف بھی پوری توجہ دی تربیتی ادارے اور مساجد و مدارس قائم کئے۔ اس سلسلے میں اس کو حجاج ابن یوسف کی واضح ہدایت تھیں۔[1]

ہریک را بکلمۂ اسلام استدعا	ہر ایک کو کلمۂ اسلام کی دعوت دیجئے
کنید و ہر کہ بعز اسلام مشرف گردد	اور جو کوئی اسلام سے مشرف ہو جائے
او را تربیت کنید	اس کی تربیت کیجئے۔

اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور یہاں آبادی کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا۔ دیبل کی فتح کے بعد وہاں مسجد تعمیر کی گئی اور مسلمانوں کی آباد کاری کا انتظام کیا گیا۔[2]

---

[1] چچ نامہ از علی ابن حامد کوفی (مرتبہ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ) (حیدرآباد دکن ۱۹۳۹ء) ص ۱۳۶

[2] فتوح البلدان از احمد بن یحییٰ بلاذری (بیروت ۱۹۵۷ء) ص ۱۶۱

محمد ابن قاسم کے بعد کے حکمرانوں نے بھی حتی الوسع تبلیغ اسلام میں دلچسپی لی بلکہ کبھی کبھی تو براہ راست دربار خلافت (بغداد) سے برصغیر پاک و ہند کے راجاؤں اور زمینداروں کو تبلیغی خطوط پہنچتے تھے اور ان کا اچھا اثر ہوتا تھا ۹۹ھ میں خلیفہ عمر ابن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے اکثر راجاؤں کو خطوط لکھے ان میں سے بعض نے اسلام بھی قبول کر لیا [1]

اس طرح جب ۱۵۸ھ میں مہدی سربراہ آرائے حکومت ہوا تو اس کے تبلیغی خطوط کے جواب میں پندرہ راجاؤں نے قبول اسلام کیا [2] ظاہر ہے ان راجاؤں کا قبول اسلام انفرادی حیثیت سے نہ ہوا ہو گا بلکہ ایک بڑے خاندان، ایک بڑی جماعت اور ایک بڑے گروہ نے اسلام قبول کیا ہو گا بلکہ پھر تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض راجاؤں کو خود اسلامی تعلیمات و عقائد کی تحقیق کا شوق پیدا ہوا چنانچہ کشمیر بالا و زیریں علاقے کے راجا مہروک بن رائک (یارائق) کی درخواست پر منصورہ کے حاکم عبداللہ ابن عمر نے ۲۷۰ھ میں راجا کے پاس ایک عراقی نژاد فاضل نوجوان بھیجا۔ جس نے راجا کی شان میں قصیدہ کہا اور قرآن کی تفسیر لکھی اور خیال ہے کہ وہ راجا مسلمان ہو گیا [3] ہند پاکستانی زبان میں قرآن کریم کی یہ پہلی تفسیر تھی

غزنوی عہد برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا دوسرا دور غزنویوں کے زمانے سے شروع ہوا، محمود غزنوی (ف ۴۲۱ھ) نے مغربی پاکستان کا ایک حصہ غزنین کی حکومت میں شامل کر لیا تھا غزنویوں کے عہد میں لاہور میں شیخ حسین زنجانیؒ، شیخ علی ہجویریؒ شیخ اسمٰعیل محدثؒ ملتان میں یوسف گردیزیؒ اوچ میں صفی الدین گازرونیؒ اور

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۲۰

[2] تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی (اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء) ص ۱۶۱

[3] ہندوستان عربوں کی نظر میں (دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء) ص ۱۹۳-۱۹۵

شاہ کوٹ میں سلطان سخی سرورؒ مشہور صوفیہ گزرے ہیں جنہوں نے تذکیر و تبلیغ کے فرائض انجام دے کر ان علاقوں میں اسلام کو سربلند کیا اور ان صوفیہ کی کوششوں سے مختلف قومیں اور قبیلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مغربی پاکستان کے اکثر علاقے غزنوی حکومت میں شامل تھے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے کو بخوبی تقویت حاصل ہوئی اور لاہور جلد ہی ایک اسلامی شہر بن گیا۔

غوری عہد سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کی فتوحات سے پاکستان و ہند میں مسلمانوں کا تیسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کی باقاعدہ داغ بیل پڑی۔ سلطان نے راجپوتوں کے مشہور راجا پرتھوی راج کو ختم کر کے نہ صرف دہلی کو فتح کر لیا بلکہ راجپوتوں کا زور توڑ دیا۔ دو سال بعد قنوج کے راجا جے چند کو بھی میدان شکست دی۔ اس کے سپہ سالار محمد بن بختیار خلجی نے فتوحات کا دائرہ بنگال تک وسیع کر دیا۔ شمالی ہند میں قطب الدین ایبک نے فتوحات کو وسیع تر کیا۔ سلطان غوری کے قتل کے بعد ۶۰۲ھ میں قطب الدین ایبک لاہور میں تخت نشین ہوا۔ اگرچہ قطب الدین ایبک کا زیادہ وقت فتوحات اور جنگی مہمات میں گزرا لیکن اس کے زمانے میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی۔ مساجد، مدارس اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مبارک شاہ فخر مدبر لکھتا ہے [1]

کافران قوی، درایان بزرگ و بسیار فیل	طاقتور کافروں، بڑے راجاؤں، ۔
ولشکر را براند اخت بعضے را در ربقہ	بہت سے ہاتھیوں اور فوج کو اکھاڑ
اطاعت آورد و مسلمان کرد و شہر ہائے	پھینکا کچھ لوگوں کو مطیع کیا اور مسلمان
کفر بلاد اسلام گشت و بر جائے صنم، صمد را	کیا۔ کفر کے شہر اسلام کے شہر بن گئے۔
	(اب لوگ) بتوں کی جگہ خدا کو

[1] تاریخ فخرالدین مبارک شاہ (مرتبہ ایڈورڈ ڈینسون (لندن ۱۹۲۷ء) ص ۲۶

می پرستند و بت خانہا، مساجد و مدارس و خانقاہ شد و ہر سال ہزار ہا ہزار کفرہ را با سلام می آرند تا بو حدانیت حق بگویند و مسلمانی ورزند تا مستوجب بہشت گردند

پوجتے تھے۔ بت خانوں کی بجائے مسجدیں مدرسے اور خانقاہیں بن گئیں ہر سال ہزاروں کافروں کو مسلمان بناتے ہیں تاکہ وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کریں۔ مسلمان ہو جائیں اور بہشت کے مستحق ٹھہریں۔

خود سلطان قطب الدین شریعت کا بڑا پابند تھا اس کے زمانے میں شعائر اسلامی پورے طور سے رونق افروز تھے۔ تاج الماثر کا مؤلف لکھتا ہے [1]

شعائر الشرائع اسلام بہ غایت ظہور انجامید و مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست۔

اسلامی شریعت کے کاموں کو پوری طرح انجام دیا اور اسلامی شعائر اور طور طریقے مکمل طور پر رائج ہو گئے

راجپوتوں میں تبلیغ اسلام

پاکستان میں مسلمانوں کے سیاسی استحکام اور ملک گیری کے ساتھ ساتھ صوفیہ و مشائخ اور علماء و فضلاء کی علمی و ثقافتی اور دینی و تبلیغی سرگرمیاں بھی پورے طور سے عمل میں آئیں اور ایک انقلاب عظیم آگیا بالخصوص صوفیہ کی مقدس جماعت نے پاکستان و ہند میں اصلاح و تبلیغ کا کام بہت اچھی طرح انجام دیا۔

خواجہ معین الدین اجمیری رحؒ کے متعلق شیخ ابو الفضل علامی لکھتا ہے۔ [2]

از دم گیرا ئے او گروہا گروہ مردم بہرہ برگرفتند

ان کے وعظ و تذکیر سے جوق در جوق مستفید ہوئے

---

[1] تاج المآثر نظام الدین حسن نظامی نشیاپوری بحوالہ بزم مملوکیہ از صباح الدین عبدالرحمٰن (اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء) ص ۶۲

[2] آئین اکبری از ابوالفضل (بہ تصحیح سر سید احمد خاں، (دہلی ۱۲۷۲ھ) ص ۲۰۷

اس طرح خواجہ مبارک العلوی لکھتا ہے۔[1]

بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بہ اسلام روشن ومنور گشت	اس آفتاب اہل یقین کے آنے کی وجہ سے کہ حقیقت میں معین الدین (دین کا مددگار) تھا اس علاقے کی ظلمت اسلام کی روشنی اور نور سے بدل گئی۔

بابا فرید گنج شکرؒ نے پاک پٹن کو رشد و ہدایت کا مرکز بنایا اور پنجاب میں اسلام کی اشاعت فرمائی راجپوتوں کے کئی قبیلے سیال اور وٹو وغیرہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ پاک پٹن کی ایک پوری قوم اپنے مقتدی کے ہمراہ جو ایک جوگی تھا۔ بابا فرید کی توجہ سے مسلمان ہوئی۔ راجپوتوں کے بعض دوسرے قبیلوں پھلیاں اور جاٹ وغیرہ نے بھی بابا صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس طرح بابا صاحب کی اولاد اور سجادہ نشینوں کی توجہ سے بھی بعض راجپوت خاندان اور سوندھی قوم مسلمان ہوئی۔ بو علی شاہ قلندر (ف ۷۲۴ھ ۱۳۲۴ء) پانی پت کے مشہور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر اکثر راجپوت مسلمان ہوئے ایک شخص امر سنگھ نے قلندر صاحب کی توجہ سے اسلام قبول کیا جس کی اولاد پانی پت کے محلہ راجپوتان میں رہتی ہے۔

خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی سلسلے کے مشہور شیخ طریقت اور پاکستان و ہند میں اس سلسلے کے بانی ہیں ان کی تعلیم و تلقین سے مغربی پاکستان کے اکثر قبیلے مشرف بہ اسلام ہوئے[2] حضرت زکریا ملتانیؒ کے مرید

---

[1] سیر الاولیا از مبارک العلوی (مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ) ص ۴۷

[2] اس سلسلے کی تفصیل کیلئے دیکھئے "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۳ء) ص ۶۱-۶۲

خاص جلالؒ سرخ بخاری اوچیؒ (دف ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) نے بھی اصلاح و تبلیغ کا کام پوری مستعدی سے انجام دیا۔ علاقہ اوچ کی اقوام چدھڑ ڈہر اور سیال وغیرہ نے حضرت کی ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔[۱]

ہزارہا مخلوق خدا را بہدایت ہادی	ہزار ہا مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت
حقیقی براہ راست آورد، شہر جھنگ سیال	سے راہ راست پر لائے اور شہر جھنگ
کہ در پنجاب مشہور و معروف است	سیال کی کہ جو پنجاب میں مشہور و معروف
بنا فرمود	ہے بنیاد ڈالی

اس علاقے کا ایک راجا گھلو بھی حضرت جلال سرخ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوا جس کی اولاد ضلع ملتان کے اکثر گانوؤں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسی طرح ان کے پوتے مخدوم جہانیاں جہاں گشت (دف ۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء) بھی تبلیغ اسلام میں بہت کوشاں رہے اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد ان کے ذریعے مشرف بہ اسلام ہوئی۔ نون (راجپوت) اور راجا کرن (ہستناپور) کے اخلاف بھوپا اور کھرل (ساکنان اوچ) نے حضرت مخدوم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اسی طرح علاقہ جیسلمیر کے راجپوت قبیلے منج کا ایک شخص رائے تلسی داس حضرت مخدومؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ جس کا نام شیخ چاچو رکھا گیا۔[۲]

یہاں ہم نے راجپوتوں کے اجتماعی اور قبائلی قبول اسلام کا مختصر سا ذکر کیا ہے اگر تفصیلات پیش کی جائیں تو ایک دفتر ہو جائے لیکن بعض اہم قبائل اور برادریوں کا سرسری ذکر ہم ضروری سمجھتے ہیں اگرچہ اس فہرست میں بھی اضافہ کی کافی گنجائش ہے

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم از مفتی غلام سرور لاہوری (لکھنؤ ۱۹۱۴ء) ص ۳۶

[۲] مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۰۶-۲۰۷

قائم خانی راجپوت | قائم خانی مسلمان راجپوتوں کی ایک بہت بڑی شاخ ہے ان میں بڑے بڑے زمیندار، جاگیردار اور اہل سیف ہوتے ہیں راجپوتانہ ان کا مستقر و مرکز رہا ہے تقسیم ملک کے بعد قائم خانیوں کی بڑی تعداد سندھ میں سکونت پذیر ہوئی ہے مشہور ہے کہ ان کے بزرگ قائم خاں، فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے [1]

پنجابی سوداگراں | مسلمانوں کا ایک اور صاحب ثروت، مقتدر اور دیندار طبقہ "پنجابی سوداگراں" (دلی والے پنجابی) کے نام سے مشہور ہے یہ لوگ بالعموم تجارت پیشہ، دیندار اور مخیر ہوتے ہیں۔ رفاہ عام کے کاموں میں بڑا حصہ لیتے ہیں۔ ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے سلسلے میں اگرچہ کوئی یقینی تاریخی شہادت نہیں ملتی مگر یہ قدیم الایام مسلمان ہیں کسی زمانے میں پنجاب سے نقل مکانی کر کے دہلی اور شمالی ہند میں پھیل گئے اور مسلم معاشرے کا ایک مضبوط ستون ثابت ہوئے [2]

میمن | اسی طرح میمن حضرات ہیں ان کا خاص مرکز گجرات اور کاٹھیاواڑ رہا ہے۔ شروع میں یہ علاقے اسماعیلی داعیوں کے زیر اثر رہے مسلم صوفیہ بھی تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف رہے اور قادری مشائخ کے زیر اثر میمن مسلمان ہو گئے۔ ان کے بزرگوں میں کون شخص کب مسلمان ہوا اس بارے میں مختلف روایات ہیں اور کوئی یقینی شہادت نہیں ملتی مگر یہ مسلمانوں کی ایک مقتدر، ذی عزت، صاحب حیثیت اور دیندار جماعت ہے علامہ

---

[1] ملاحظہ ہو واقعات قوم قائم خانی از مولوی عطا محمد خاں (دہلی ۱۹۳۱ء)

[2] ملاحظہ ہو تاریخ قوم پنجابی سوداگراں از نسیم احمد باغ پتی (کراچی ۱۹۶۶ء) و خطبہ استقبالیہ خان بہادر حکیم معظم علی خاں رئیس آنولہ جمعیت شبان المسلمین آنولہ ۱۹۲۵ء)

عبدالعزیز میمنی جیسے ادیب شہیر اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں[۱]

مومن | مسلمانوں کی ایک اور دیندار، سلیم الطبع، خوشحال اور صنعت کار جماعت پارچہ بافوں کی ہے۔ جاگیردارانہ معاشرت میں ان کو وہ درجہ نہیں ملا جس کے مستحق تھے یہ لوگ بھی مختلف اوقات میں داخل اسلام ہوئے ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو باہر سے آکر وارد ہند ہوئے ملا عبدالقادر بدایونی[رح] لکھتے ہیں[۲]

سید محمد جامہ باف مشہور بہ میر رباعی است دریں وادی خیام زمانہ است درسفر جونپور درسنہ ثلث وسبعین و تسعمائۃ از عالم رفت

سید محمد جامہ جاف کہ میر رباعی کے عرف سے مشہور ہیں اور اس وادی میں اپنے زمانے کے خیام ہیں جونپور کے سفر میں ۹۷۳ھ میں فوت ہوئے

خافی خاں لکھتا ہے[۳]

سید محمد جامہ باف از سادات ستودہ صفات وصاحب طبع بودہ، دررباعی شہرت دارد

سید محمد جامہ جاف، مقدس سادات سے ہیں اور صاحب شعر و سخن ہیں رباعی میں شہرت رکھتے ہیں۔

مولوی عبدالسلام نعمانی لکھتے ہیں[۴]

ملک افضل علی علوی کے رفقاء اور لشکریوں میں جو لوگ زندہ رہے وہ بنارس ہی میں رہ گئے اور یہاں انہوں نے رزق حلال جان کر ریشم کے کپڑے بننے کا کام اختیار کیا چونکہ یہ حضرات اپنی نیکی، دینداری، شرافت خاندان کی بنا پر دوسری قوموں سے ممتاز تھے۔ اس بنا پر

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ قوم کچھ و مکران مع حالات قوم میمناں از مرزا محمد کاظم برلاس مراد آبادی مطبوعہ صدیقی پریس مراد آباد۔ ملاحظہ ہو "میمن عالم" ماہنامہ کراچی جون ۱۹۶۷ء ص ۹ - ۱۲

[۲] منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی جلد سوم (کلکتہ ۱۸۶۸ء) ص ۲۹۵

[۳] منتخب اللباب جلد اول از محمد ہاشم خافی خاں (کلکتہ ۱۸۶۴ء) ص ۲۴۲

ان کی "مومن" اور "شیخ" کے نام سے شہرت ہوئی۔ ان کی نسلیں بنارس ہی میں بڑھیں اور دوسرے اطراف میں بھی منتقل ہوئیں۔ ان حضرات کا تعلق حضرت علیؓ کی اولاد سے تھا۔ اس بناء پر علوی کہلاتے ہیں۔ لیکن جب ان کی نسلیں بنارس ہی میں بڑھیں اور دوسرے اطراف میں بھی منتقل ہوئیں تو ان کو "نورباف" کہا جانے لگا جو عرصہ دراز تک رائج تھا اور اب بھی قدیم شاہی فرامین میں لکھا ہوا ملتا ہے۔

علم الانساب کی کتابوں اور ہندوستان کی قدیم تاریخی دستاویزوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نورباف ایک بڑی تعداد میں بنارس، جونپور، غازی پور، اعظم گڑھ کے علاقوں میں آباد ہو گئے لیکن یہاں کی دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط اور میل جول سے اب خاندانوں کا پتہ نہیں چلتا لیکن واقعہ ہے کہ تقریباً نو سو سال سے "پارچہ ریشم" کے بننے کا سلسلہ یہاں اب تک قائم ہے اور نسلاً بعد نسل ہوتا آیا ہے اور اب اس کی ایک مستقل تاریخ بن گئی ہے۔"

لال خانی راجپوت ضلع بلند شہر اور اس کے جوار و نواح میں لال خانی خوانین صاحب حیثیت اور دیندار ہیں بلکہ بعض مدارس اسلامیہ بھی ان کی طرف سے جاری ہیں ان کے مورث اعلیٰ رائے باختلاف روایات از عہد جہانگیری تا عالم گیری کسی وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نسلاً یہ لوگ بڑگوجر راجپوت ہیں چھتاری کا خاندان دینی و دنیوی اعتبار سے نہایت ممتاز ہے۔[1]

ص ۴۱ کا حاشیہ [2] آثار بنارس از مولوی عبد السلام نعمانی (مکتبہ ندوۃ المعارف بنارس ۱۹۶۰ء) ص ۶۵-۶۶

[1] مرآۃ الانساب از ضیاء الدین ردولوی (مطبع رحیمی جے پور ۱۹۱۱ء) ص ۱۷۸-۱۸۱

شیوخ قانون گویاں[1] اضلاع میرٹھ و بلند شہر اور نواح دہلی میں شیوخ قانون گویاں کی ایک قابل ذکر برادری ہے ان میں سے زیادہ تر بھٹناگر کائستھ ہیں کچھ لوگ بقال اور برہمن بھی ہیں خیال ہے کہ یہ لوگ عہد عالمگیری یا مابعد زمانے میں مسلمان ہوئے اس بارے میں نواب ثابت خاں حاکم کول (علی گڑھ) کی کوششوں کو بہت دخل تھا بلکہ بہت سے لوگ نواب ثابت خاں کی مساعی جمیلہ سے داخل اسلام ہوئے اور یہ لوگ ثابت خانی مسلمان کہلاتے تھے [لہ]

برصغیر پاک وہند کے کتنے ایسے قبیلے اور برادریاں ہیں کہ جن کی چھوٹی چھوٹی شاخیں یا معتدبہ افراد مختلف اوقات میں داخل اسلام ہوئے اور ملت اسلامیہ کے قوت بازو اور اساس واثاثہ بنے۔ برہمن، چھتری، ویش وغیرہ ہر قوم کے لوگ داخل اسلام ہوئے کشمیر و پنجاب وغیرہ کے راجپوت، بٹ، ٹوانہ، نون، منہاس، جنجوعہ، پراچہ، جاٹ، ڈار بھٹی، جرال، چب، چندیل، چوہان، کھوکھر، سیال، گھکڑ اور گجر (گوجر) وغیرہ بہت سے ایسے قبائل ہیں جو مختلف اوقات میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے ملت اسلامیہ کا ایک مضبوط حصہ بن کر مذہب و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور ہر شعبہ حیات میں اپنے دیرپا نقوش چھوڑے ان ہندپاکستانی قبائل اور ہر برادریوں سے بڑے بڑے ارباب علم وفضل اور مشاہیر ظاہر ہوئے [عہ] ماضی قریب کے کچھ نام ملاحظہ ہوں [عہ]

ماضی قریب کے کچھ مشاہیر ملت

۱۔ مولوی عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند (ف ۱۳۱۰ھ ۹۳-۱۸۹۲ء)

لہ احسن الکتاب وصفات الانساب از عبدالرحیم ساکن اترولی (قلمی) مملوکہ دکن دارالاشاعت کراچی

عہ ہم نے اس فہرست میں صرف ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو علی الاعلان اپنے کو ہندی النسل بتاتے ہیں اور یہ وہ نام ہیں جو سرِدست یاد آئے ورنہ تلاش وتحقیق سے اس فہرست میں خاصا اضافہ ہو سکتا ہے

۲- مولوی محمد سعید بنارسی (ف ۱۹۰۴ء)

۳- شاہ عبدالرحیم رائے پوری ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

۴- مولانا محمد دہلوی شریک ترجمہ قرآن ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (ف ۱۹۱۰ء)

۵- مولوی فتح محمد تائب لکھنوی (ف جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء)

۶- مولوی عبدالقادر مئوی (ف ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء)

۷- علامہ شبلی نعمانی (ف ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء)

۸- شیخ عبدالرحیم سندھی (ف ۱۹۱۵ء)

۹- مولانا عبداللہ غازی پوری (ف ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ء)

۱۰- مولانا قادر بخش سہسرامی (ف رجب ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء)

۱۱- مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ (ف ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء)

۱۲- مفتی حافظ بخش بدایونی (ف ۱۹۲۷ء)

۱۳- علم الدین شہید (ف ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

۱۴- مولانا عبدالکافی الہ آبادی (ف شعبان ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء)

۱۵- کوثر علی کوثر (دلو رام کوثری) (ف ۱۸ دسمبر ۱۹۳۲ء)

۱۶- حاجی سر رحیم بخش (ف ۴ مئی ۱۹۳۵ء)

۱۷- محمد مارماڈیوک پکتھال (ف جون ۱۹۳۶ء) [1]

۱۸- مولوی عبدالرحمن مبارک پوری (ف ۲۱ اپریل ۱۹۳۵ء)

۱۹- علامہ اقبال (ف ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء)

۲۰- مولانا معین الدین اجمیری (ف ۱۰ محرم ۱۳۵۹ھ)

۲۱- سر عبداللہ ہارون (ف ۱۹۴۲ء)

---

[1] چونکہ نو مسلم تھے اور ہندوستان سے ان کا تعلق رہا ہے اس لئے اس فہرست میں شامل کر لیا ہے

۲۲۔ سرسکندر حیات خاں (ف ۱۹۴۲ء)

۲۳۔ مولانا عبیداللہ سندھی (ف ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء)

۲۴۔ مولانا محمد یٰسین بریلوی (ف ۷ صفر ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء)

۲۵۔ مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت (ف ۲ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)

۲۶۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (ف ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء

۲۷۔ قائد اعظم محمد علی جناح (ف ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء)

۲۸۔ چودھری رحمت علی (ف ۱۲ فروری ۱۹۵۱ء)

۲۹۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں (ف ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء

۳۰۔ مولانا محمد صادق سندھی (کراچی) (ف ۱۸ جون ۱۹۵۳ء)

۳۱۔ چراغ حسن حسرت (ف ۲۶ جون ۱۹۵۵ء)

۳۲ مولانا قدیر بخش بدایونی ثم جے پوری (ف ۱۳ نومبر ۱۹۵۶ء)

۳۳۔ مولانا ظفر علی خاں (ف ۲۸ نومبر ۱۹۵۶ء)

۳۴۔ مفتی عبدالحفیظ (مفتی آگرہ) (۲۳ جون ۱۹۵۸ء)

۳۵۔ شاہ محمد حسن (بھینسوڑی (ف ۹ نومبر ۱۹۵۹ء)

۳۶۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق (ف ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء)

۳۷ مولانا احمد علی لاہوری (ف فروری ۱۹۶۲ء)

۳۸۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری (ف اگست ۱۹۶۲ء)

۳۹۔ مولانا سردار احمد (لائل پور) (ف دسمبر ۱۹۶۲ء)

۴۰۔ شیخ عبداللہ (علیگڑھ) (ف ۹ اپریل ۱۹۶۵ء)

۴۱۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صدر مدرس دیوبند (ف ۲۸ دسمبر ۱۹۶۷ء)

۴۲۔ مولوی محمد اسمٰعیل (گوجرانوالہ) (ف ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء)

۴۳۔ مولانا محمد ایوب دہلوی (ف ۱۹۶۸ء)

۴۴۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی (ف ۲۹، اگست ۱۹۷۰ء)

۴۵۔ سر فیروز خاں نون (ف ۹، دسمبر ۱۹۷۰ء)

باب دوم

میوات میں اسلام کا داخلہ

اب ہم راجپوتوں کی ایک قدیم شاخ "میواتیوں" کے تاریخی حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے ہماری کتاب کو ایک خاص تعلق ہے۔

علاقہ میوات علاقہ میوات کے حدود یہ ہیں۔ شمال میں دہلی اور پلول، جنوب میں ہاڈوتی، مشرق میں بھرت پور، دریائے جمنا اور برج کا دیس، مغرب میں کوٹ قاسم اور ریواڑی ____ میوات کی لمبائی تقریباً سو میل اور چوڑائی تقریباً ستر میل ہے اب سے تقریباً پچاس سال پہلے اس علاقے میں میواتیوں کی آبادی کم و بیش بارہ لاکھ تھی۔ بیماری اور قحط کی وجہ سے مختلف اوقات میں میواتیوں نے اس علاقے سے نقل مکانی کر کے دوسرے علاقوں میں بھی اپنی بستیاں بسالیں۔ قیام پاکستان کے بعد بہت سے میواتی ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

میواتی زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں مگر جنگ یورپ اول ۱۹۱۴-۱۸ء اور جنگ دوم ۱۹۳۹-۴۵ء میں بہت سے میواتی فوج میں بھی بھرتی ہوئے بلحاظ حکومت علاقہ میوات مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم رہا۔

۱- ریاست الور۔ اس میں اکثر حصہ میوات کا ہے۔ بڑے بڑے قصبات یہ ہیں رام گڑھ، کشن گڑھ، کٹھومر، منڈاور، گوبن گڑھ، راج گڑھ، پٹوکرہ، کھیرتل،

۲- ریاست بھرت پور۔ یہ جاٹوں کی ریاست تھی۔ میوات کے خاص قصبات یہ ہیں ڈیگ، کاما، گوپال گڑھ، اجہڑا، کمبیر، سیکری، نگلپاڑہ وغیرہ

۴۔ ضلع گوڑگانوہ۔ جس میں زیادہ تر فیروزپور اور نوح کی تحصیل کا علاقہ ہے بڑے بڑے قصبے یہ ہیں۔ فیروزپور، پوناہانہ، پنگون، نگینہ، تاوڑو، سہنہ، بچھور

میواتی قوم | میواتی قوم تومر، جادو، چوہان، پنوار، کچھواہہ، راٹھور اور گوجر راجپوتوں سے عبارت ہے پھران کی شاخ در شاخ "پال" اور "گوت" میں تقسیم ہوتی ہے۔

چستی مشائخ کی تبلیغی کوششیں

ہم نے پچھلے صفحات میں راجپوتوں کے مختلف قبائل اور خاندانوں کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ ان میں کچھ میواتی بھی ہوں گے۔ بہرحال صوفیہ کی مقدس جماعت کے فیوض و برکات سے میوات کی آبادی بھی مستفیض ہوئی اس ضمن میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور ان کے سلسلے کے مشائخ کی کوششوں کو سب سے زیادہ دخل ہے شیخ جمالی لکھتے ہیں [۱]

بیشترے کفار نامدار ازاں دیار بہ برکت	اس علاقے کے بہت سے مشہور کفار
آثار زبدۃ الابرار بہ تشریف ایماں	زبدۃ الابرار (خواجہ بزرگ) کی برکت
مشرف شدند	سے ایمان سے مشرف ہوئے۔

چشتی سلسلے کے دوسرے بزرگ صوفی حمیدالدین ناگوری (م ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۶ء) خواجہ حسین ناگوری (م ۹۰۱ھ/ ۱۴۹۵ء)، شیخ احمد مجد شیبانی نارنولی (م ۹۲۷ھ/ ۱۵۲۱ء) خواجہ خانو گوالیاری (م ۹۴۰ھ) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کی تبلیغی کوششوں سے میواتی داخل اسلام ہوئے ہوں گے۔

حسین خنگ سوار | میوات میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں حسین خنگ سوار کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ تاریخ میوات کے مؤلف لکھتے ہیں [۲]

---

[۱] ان بزرگوں کے حالات کے لئے دیکھئے اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق دہلوی (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ص ۳۵۔ ۱۸۸۔ وایضاً سلطان التارکین مرتبہ احسان الحق فاروقی (کراچی ۱۹۶۳ء) ص ۲۶۷۔ ۲۸۰

[۲] تاریخ میوات از مولوی عبدالشکور (محبوب المطابع دہلی ۱۹۱۹ء) ص ۵۷

"میوات میں ابتداً حضرت میراں صاحب سید حسین خنگ سوار نے اسلام کی اشاعت کی۔ تومرنسل کے تمام فرقے جو گوت اور پال کے نام سے مشہور ہیں اس زمانے میں مسلمان ہوئے۔"

حسین خنگ سوار قطب الدین ایبک کے عہد میں داروغۂ شہر تھے۔ ان کے تعاون سے خواجہ بزرگؒ کے کام کو خوب کامیابی ہوئی مولف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے[1]

سلطان قطب الدین ایبک اوحسین خنگ سوار را داروغۂ آں بلدہ ساختہ بود، قدوم شیخ را باعزاز واکرام تلقی فرمود وچوں از علم تصوف واصطلاحات صوفیہ بہرہ تمام داشت، صحبت خواجہ رانعمت شگرف دانستہ اکثر اوقات بمجلس شریف حاضر می شد وبسیارے ازکفار ببرکت انفاس آں پیر طریقت بشرف ایماں مشرف گشتند وآنانیکہ ایماں نیاوردند محبت خواجہ را در دل جائے دادہ پیوستہ فتوح بے حد وعد بحضرت او می فرستادند

سلطان قطب الدین ایبک نے ان (حسین خنگ سوار) کو اس شہر (اجمیر) کا داروغۂ مقرر کیا۔ شیخ (خواجہ بزرگ) کے آنے پر نہایت اعزاز واکرام کیساتھ ان کا استقبال کیا چونکہ وہ علم تصوف اور صوفیہ کی اصطلاحات سے بہرہ کامل رکھتے تھے۔ لہٰذا خواجہ صاحب کی صحبت کو بڑی نعمت سمجھا وہ اکثر (خواجہ صاحب کی) مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور اس پیر طریقت (خواجہ بزرگ) کی برکت سے بہت سے کفار ایمان سے مشرف ہوئے اور جو لوگ کہ ایمان نہیں لائے انہوں نے بھی خواجہ کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دی اور وہ ہمیشہ بہت زیادہ فتوحات ان کی خدمت میں بھیجتے تھے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم (طبع نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۱ھ) ص ۳۷۷

ایک موقع پر کفار نے حسین خنگ سوار پر حملہ کیا اور شہید کر دیا۔ خواجہ بزرگ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کا مزار گنج شہیداں کے پاس تارا گڑھ کی پہاڑی پر واقع ہے [1]

شیخ موسیٰ | شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے ایک خلیفہ شیخ موسیٰ تھے جو میوات میں پہنچے اور انہوں نے وہاں تبلیغ و تذکیر کا کام انجام دیا۔ ان کا مزار پلہ تحصیل نوح میں ہے۔ ۲۷ جمادی الاول کو بڑا زبردست میلہ ہوتا ہے جس میں میوات کے عوام الناس بکثرت شریک ہوتے ہیں [2]۔

مداری سلسلے کی کوششیں | میواتیوں کو شاہ بدیع الدین مدار مکن پوری سے بھی عقیدت وارادت ہے وہ ان کے نام کے جھنڈے کھڑے کرتے ہیں اور ان کے عرس میں بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاہ مدار اور ان کے سلسلے کے فقراء نے بھی میواتیوں میں کام کیا ہے۔ شاہ مدار، شیخ محمد طیفوری کے مرید بتائے جاتے ہیں۔ وہ سلاطین شرقیہ کے قاضی شہاب الدین دولت آبادی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء) کے ہم عصر تھے [3]۔ شاہ مدار کے خلفاء اور مداریہ فقراء کا سلسلہ ملک میں خاصا پھیلا ہوا تھا۔ مداریہ سلسلے کے ایک بزرگ شاہ عبد الغفور عرف باباکپور تھے ان کا قیام گوالیار میں تھا اور وہیں ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء میں انتقال ہوا مؤلف تذکرۃ المتقین لکھتے ہیں [4]

مدتے رسم تلقین وارشاد جاری داشتہ	ایک زمانے تک تلقین وارشاد کی رسم
در گوالیار آسودہ، خانقاہش نور علیٰ نور	جاری رکھی۔ گوالیار میں دفن ہوئے

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۷۰ معین الارواح از محمد خادم حسن زبیری (آگرہ ۱۹۵۳ء) ص ۱۴۸، ۱۴۴ و احسن السیر از محمد اکبر جہاں شگفتہ (اجمیری ۱۲۹۴ھ) ص ۱۱۳، علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد دوم مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۴۴، ۱۰۸ ــــــ [2] تاریخ میوات ص ۸۵

[3] ملاحظہ ہو آئین اکبری (سرسید ایڈیشن) مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ حصہ دوم ص ۲۱۱۔ ۲۱۲ اخبار الاخیار ص ۱۷۰

[4] تذکرۃ المتقین فی احوال خلفائے سید بدیع الدین از مولوی امیر حسن مداری (کانپور ۱۳۲۳ھ) جلد دوم ص ۹۰

بعمارت عالی پختہ سنگی اساس بنا یافتہ آستانۂ او زیارت گاہ خلائق است	ان کی خانقاہ نور علی نور ہے پختہ عالی عمارت پتھر کی بنی ہوئی ہے ان کا آستانہ زیارت گاہ خلائق ہے۔

بابا کپور کی توجہ وارشاد سے ایک شخص بابا گوپال مع اپنے چیلوں کے داخل اسلام ہوئے اور انہیں خرقۂ خلافت ملا۔ مؤلف تذکرۃ المتقین لکھتے ہیں [۵]

بابا گوپال یکے از امرائے ہند بود..... چوں از بابا صاحب (بابا کپور) دچار شد، بقدمش درافتاد و داخل اسلام شد حضرت صلاحیتش را ملاحظہ فرمود، از کمال عنایت درآغوش عاطفت بگرفت واز نظر فیض اثر پیمانہ مرادش لبریز فرمود ور فقائش کہ چیلۂ وے بودند در تعلیم شان بطریق اسلام ترمیم فرمودہ۔	بابا گوپال ہندوستان کے سربرآوردہ شخص تھے جب ان کی بابا صاحب (بابا کپور) سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کے قدموں پر گر پڑے اور اسلام قبول کر لیا حضرت (بابا کپور) نے ان کی صلاحیت ملاحظہ کی اور بڑی مہربانی سے ان کو اپنی آغوش میں لیا۔ اور اپنی نظر فیض اثر سے ان کی مراد کا پیمانہ بھر دیا اور ان (بابا گوپال) کے ساتھیوں کی تعلیم میں جو ان کے چیلے تھے اسلام کے طریقے پر ترمیم کر دی۔

مداری فقراء کی جماعتیں ملک میں بالالتزام دورہ کرتی تھیں۔ ان کی ایک باقاعدہ تنظیم تھی اور وہ ہتھیار وغیرہ بھی رکھتے تھے۔ بعض شواہد و قرائن کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم حیثیت اور پس ماندہ طبقوں میں خاص

---

[۵] ایضاً ص ۹۵

طور سے تہذیب و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شاہ مدار کے سالانہ عرس کے موقع پر ہر اس مقام سے جہاں ان کا مرکز یا شاخ ہوتی تھی دو روزہ یا سہ روزہ اجتماع ہوتا تھا۔ علم اور جھنڈے کھڑے کئے جاتے تھے اور پھر پورا قافلہ مکن پور کو روانہ ہوتا تھا۔ اس سے شاید اپنے رعب و غلبہ کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا یہ روایت کسی قدر آج بھی ہندوستان میں موجود ہے اور مختلف مقامات پر شاہ مدار کی بیرق اور علم کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ابوالفضل لکھتا ہے ۔ [1]

که و مه ہندی یوم بد و گرد دو الا پائے گی	سرزمین ہند کے چھوٹے بڑے ان کے
برگزارد .... ہر سال روز فرو شدن	گرویدہ ہوئے اور ان کی تعظیم بجالاتے
او گروہا گروہ مردم از دور دستہا	.... ان کے یوم وصال پر ہر سال لوگ
آنجا رسند و ہر یکے زنگار نگ علم باخود	گروہ در گروہ دور دور سے وہاں
بردہ نیائشہا بجا آورد	پہنچتے اور اپنے ساتھ رنگا رنگ کے
	علم لاتے اور اظہار عقیدت کرتے۔

باباکپور کے خلفاء کے نوگروہ تھے [2] (۱) نوروزی (۲) سوختہ شاہی (۳) کمربستہ (۴) لعل شاہبازی (۵) گوپالی (۶) مکھا شاہی (۷) کلامی (۸) قادری (۹) کریم شاہی ۔ اسی طرح دوسرے اکابر خلفاء کے گروہ ہوں گے تذکرۃ المتقین کے مؤلف لکھتے ہیں [3]

بعد از وفات حضرت قطب المدار	حضرت قطب المدار کی وفات کے
حضرات خواجگاں از مریداں و خلفائے	بعد حضرات خواجگاں نے اپنے بعض

---

[1] آئین اکبری ص ۲۱۲

[2] تذکرۃ المتقین ص ۹۲ - ۹۷

[3] ایضاً ص ۱۳۱

خویش بعضے از ارجمنداں در ممالک	سعادت مند خلفاء اور مریدوں کو
ہندوستاں بہ قریات و قصبات و	ملک ہندوستان کے گاؤں، قصبوں
شہرات مامور کردند تا خلق را از	اور شہروں میں مامور کر دیا تاکہ مخلوق
اوشاں نفع برسد و حیات و ممات	کو ان سے فائدہ پہنچے اور ان کی زندگی
ایشاں بخیر بگذرد. پس ایں انتظام	و موت اچھی طرح گزرے پس اس
را بدیں طریق نظم داده و علاوہ اوشاں	انتظام کو اس طرح جاری کیا اور ان
چند کساں را بمنصبے مفتخر نمودہ حکم دورہ	کے علاوہ کچھ لوگوں کو منصب سے
دادند کہ متواتر نگراں حال شاں باشند	سرفراز فرمایا ان کو دورہ کرنے کا حکم
چنانچہ زمانہ بدیں منوال بسر شد و نتیجہ	دیا تاکہ ان کے حال کی متواتر نگرانی
سعی ایشاں ترقی پذیر رفت	رکھیں. چنانچہ ایک زمانہ اس طرح
	گزرا اور ان کی کوشش کا نتیجہ اچھا رہا

سالار مسعود غازی سے تعلق میواتیوں کی عقیدت سالار مسعود غازی (بہرائچ) سے بھی ہے وہ ان کے نام کے جھنڈے کھڑے کرتے ہیں اور خاص طریقے سے نیاز دلاتے ہیں[1] میلے میں شرکت کرتے ہیں خیال یہ ہے کہ یا تو خود سالار مسعود غازی نے میوات میں تبلیغ اسلام کی ہوگی یا پھر ان کی درگاہ کے مجاوروں یا فقیروں کے ذریعے میواتیوں کا تعلق سالار مسعود کی درگاہ سے ہوا ہوگا. افسوس کہ سالار مسعود غازی کے حالات کے سلسلے میں تاریخ خاموش ہے تاریخ میں سب سے پہلا حوالہ تاریخ فیروز شاہی میں ملتا ہے. ضیاء الدین برنی لکھتا ہے[2]

سلطان محمد بعد فراغ فتنۂ عین الملک	عین الملک کے فتنے سے فارغ ہونے

---

[1] تاریخ میوات ص ۵۳

[2] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی (بہ تصحیح سر سید احمد خاں) کلکتہ ۱۸۶۲ء) ص ۴۹۱

از بنگر مئو عزیمت ہندوستان فرمود	کے بعد سلطان محمد نے بنگر مئو سے
و در بہرائچ رفت و سپہ سالار مسعود	ہندوستان کا ارادہ کیا اور وہ بہرائچ
شہید را کہ از غزاۃ سلطان محمود سبکتگین	آگیا اور سپہ سالار مسعود شہید (کے مزار)
بود، زیارت کرد و مجاورانِ روضۂ	کی زیارت کی کہ جو سلطان محمود سبکتگین
او را صدقات بسیار داد	کے غازیوں میں سے تھے اور ان کے روضے
	کے مجاوروں کو بہت خیرات دی

میواتیوں کو خواجہ معین الدین اجمیریؒ، شاہ مدار مکن پوری اور سالار مسعود غازی وغیرہ سے ایک خاص تعلق ہے اس سلسلے میں شاہ غوث علی قلندر پانی پتی (ف ۱۲۹۷ھ) نے ایک دل چسپ واقعہ نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میواتیوں کو ان بزرگوں سے کس قدر گہری عقیدت ہے شاہ غوث علی نے ایک روز ارشاد فرمایا [1]

"لکھنؤ کے سنی اور شیعوں میں ایک دفعہ باہم جنگ ہوئی تماشائیوں کا ہجوم ہوگیا۔ ایک جانب میواتیوں کا گروہ بھی کھڑا تھا، پوچھا یہ کون لڑتے ہیں؟ کوئی شخص بولا کہ یہاں لڑائی اس بات پر ہے کہ شیعہ چار یار کو گالیاں دیتے ہیں۔ میواتیوں نے تعجب سے پوچھا کہ چار یار کون ہیں؟ اس نے کہا یہی تو ہیں (۱) معین الدین (۲) سلار (۳) مدار (۴) چوکھا پیر [2] یہ بات سن کر ان کو تاب نہ رہی کہ ہمارے پیروں کو برا کہتے ہیں تو ہماری زندگی کس کام آوے گی۔ لٹھ لے کر پل پڑے اور گروہ شیعہ کو بھگا دیا۔"

---

[1] تذکرہ غوثیہ مرتبہ گل حسن قادری (اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور) ص ۳۸۱

[2] چوکھا پیر کا تعارف آگے آرہا ہے۔

باب سوئم

میوات میں مسلم حکومت کا استحکام

غیاث الدین بلبن

برصغیر میں مسلم حکومت کے قیام و استقلال کے بعد راجپوتوں میں انتقامی جذبے کا عود کرنا ایک فطری امر تھا۔ راجپوتوں نے میوات میں قیام پذیر ہو کر مسلم حکومت کو مشکلات پیدا کیں اور انتشار و بدنظمی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں ۱۲۶۰ء میں ناصرالدین محمود کے زمانے میں غیاث الدین بلبن نے دس ہزار سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ میوات پر حملہ کیا بہت سے آدمی مارے گئے۔ ڈھائی سو آدمیوں کو قید کر کے دہلی لایا گیا جو بعد میں قتل کر دیے گئے اس کے بعد جب بلبن تخت نشین ہوا تو اس نے بھی سب سے پہلے میواتیوں کی طرف توجہ کی کیونکہ میواتیوں نے ابھی تک پورے طور سے سر اطاعت خم نہیں کیا تھا اور وہ حکومت کے لیے مشکلات پیدا کرتے تھے دہلی اور حوالی دہلی کی آبادی ان کی غارت گری سے محفوظ نہ تھی۔ حوض شمسی تک کا علاقہ ان کی زد میں تھا۔ شہر دہلی کے دروازے عصر کے وقت بند ہو جاتے تھے چنانچہ ۶۶۴ھ میں بلبن نے سب سے پہلے میواتیوں پر تاخت کی راستوں کو صاف کرایا اور مفسدوں کو تہ تیغ کرا دیا[1] بلبن کی دونوں فوج کشیوں کے نتیجے میں اگر ایک طرف امن و امان قائم ہوا تو دوسری طرف بہت سے میواتی داخل اسلام ہوئے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۶ - ۵۸

بہادر ناہر میواتی فیروز شاہ تغلق اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں علاقہ میوات میں بہادر ناہر میواتی کی شخصیت بہت ممتاز اور نمایاں تھی [1] ایک موقع پر ابو بکر شاہ ابن ظفر خاں تغلق اپنے حریف محمد شاہ کے مقابلے میں بہادر ناہر سے مدد لینے کے لئے میوات پہنچا جب محمد شاہ کو اقتدار و غلبہ حاصل ہو گیا تو اس نے ابو بکر شاہ سے مقابلہ کرنے کے لئے میوات پر یورش کر دی۔ ابو بکر شاہ اور بہادر ناہر محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان کے طلب گار ہوئے اول الذکر تو قید کر دیا گیا مگر بہادر ناہر خلعت و انعام سے سرفراز ہوا ۷۹۵ھ میں محمد شاہ نے بہادر ناہر پر حملہ کر دیا اور اس کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔

شاہ محمود شاہ تغلق ابن محمد شاہ کے زمانے میں مقرب خان نے دہلی کا پرانا قلعہ بہادر ناہر میواتی کے سپرد کر دیا۔ تیمور کے حملے کے دوران ۸۰۱ھ میں مقرب خاں اور بہادر ناہر پہاڑوں میں چھپے رہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ۸۰۸ھ میں بہادر ناہر فوت ہو گیا اور ۸۰۲ھ میں اس کے بیٹے مبارک خاں کی سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ۸۱۴ھ میں خضر خاں نے نارنول اور میوات کے علاقے میں خوب لوٹ مار کی ماہ ذی قعدہ ۸۱۶ھ میں خضر خاں پھر میوات پہنچا اور بہادر ناہر کے بھتیجے جلال خاں کے ہمراہ سنبھل گیا اور اس علاقے کو خوب لوٹا کھسوٹا ۸۲۷ھ میں مبارک شاہ خاں ابن خضر خاں نے کٹھیر اور کمایوں سے واپس آ کر میوات کو تاخت و تاراج کیا ۸۲۹ھ میں وہ پھر میوات پہنچا اور اس نے اندور اور الور کے قلعوں کو فتح

---

[1] کہا جاتا ہے کہ بہادر ناہر میواتی کا اصل نام سانبرپال تھا اور ۷۵۴ھ میں وہ فیروز شاہ تغلق کے ہاتھ پر مسلمان ہوا وہ جادو نسبی چھتری تھا۔ میوات کی حکومت اسکو ملی مؤلف تاریخ میوات نے اس کا سال انتقال ۷۹۵ھ لکھا ہے حالانکہ بدایونی کے بیان کے مطابق وہ ۸۰۱ھ تک زندہ تھا ملاحظہ ہو تاریخ میوات ص ۶۵-۶۶۔ نیز دیکھئے امپیریل گزیٹیر آف انڈیا جلد دوازدہم (آکسفورڈ ۱۹۰۸ء) ص ۴۰۳

کرلیا ۸۳۶ھ میں مبارک شاہ خاں نے میوات میں جلال خاں پر یورش کی اور پھر وہاں سے اس نے فوج گوالیار اور اٹاوہ کو بھیج دی۔

۸۴۴ھ میں سیدوں کی کمزور حکومت کے زمانے میں میوات کے خانزادوں نے محمود خلجی کو دہلی کی سلطنت پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ محمد شاہ کے بیٹے علاؤالدین نے مقابلہ کیا اور آخر میں دونوں فریقوں میں صلح ہو گئی۔ سکندر لودی کے زمانے میں میوات کا حاکم عالم خاں تھا [1]

حسن خاں میواتی بہادر ناہر کے بعد میوات میں حسن خاں میواتی سب سے اہم سیاسی شخصیت ثابت ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ ابراہیم لودی مارا گیا اور بابر کامیاب ہو گیا تو اس نے سلطان سکندر کے لڑکے سلطان محمود کو بادشاہ بنایا اور مغلوں کو مشکلات پیدا کر دیں۔ اس نے رانا سانگا سے گٹھ جوڑ کیا وہ دس ہزار سواروں کے ساتھ رانا سانگا کی معیت میں کانوہ کے میدان میں بابر سے لڑا۔ حسن خاں میواتی کی پیشانی پر ایک تیر لگا اور وہ مارا گیا اس کی لاش ایک گڑھے میں پھینک دی گئی (۹۳۳ھ)۔ حسن خاں بڑے رعب داب کا آدمی تھا وہ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتا تھا [2]

بابری و ہمایونی دور رانا سانگا پر فتح حاصل کرنے کے بعد بابر نے میوات کا رخ کیا۔ حسن خاں میواتی کے لڑکے ناہر خاں نے سر اطاعت خم کرنے ہی میں اپنی عافیت

---

[1] یہ تمام حالات منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی جلد اول سے ماخوذ ہیں

[2] حسن خاں میواتی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی ۹۶۰ھ میں ایک بڑے لمبے چوڑے میواتی نے دعوی کیا کہ وہ حسن خاں ہے۔ بہتوں کو یقین بھی آ گیا۔ ملا بدایونی نے خود اس شخص کو ۹۶۵ھ میں آگرہ میں دیکھا تھا جب اس کا فریب ظاہر ہو گیا تو میواتی خان زادوں نے غیرت کھا کر اس کو قتل کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔ بدایونی (اردو ترجمہ) ص ۱۳۷

سمجھی۔ بابر نے علاقہ میوات کی حکومت چین تیمور سلطان کے سپرد کر دی [1]

ہمایوں نے تخت نشین ہونے کے بعد میوات کا علاقہ مرزا ہندال کے سپرد کیا مرزا نے اس علاقے کے انتظام میں خاص دلچسپی لی۔ اس نے الور میں بعض عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ڈھکل پوری کی مسجد خاص مرزا ہندال کے عہد حکومت میں محمد ابن چوبدار نے بنوائی جس پر مندرجہ ذیل کتبہ موجود ہے [2]

زمانِ حکومت بہ ہندال مرزا | در ایام دولت ہمایوں غازی
بدست خدارا ابنا کر د مولا | محمد ابن خدا ز دست راضی
ز نہ صد فزوں بودہی پنج تاریخ | ز قاسم محمد شد این کارسازی ۹۳۵ھ

شیر شاہ اور سلیم شاہ کے زمانے میں میوات کا حاکم خواص خاں تھا۔ اس نے میوات میں۔ مال اور فوج داری کا ایسا عمدہ انتظام کیا جو کبھی نہیں ہوا تھا [2]

جب ۹۶۱ھ میں ہمایوں بادشاہ ایران سے دوبارہ ہندوستان آیا تو اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ میواتیوں کی فوجی و سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر اس نے ان سے مصاہرت و مناکحت کا رشتہ استوار کیا۔ ہمایوں نے دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد اطراف و جوانب کے زمینداروں کی تالیف قلوب کی اور ان سے مضبوط تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ان کے یہاں ارکان دولت کی شادیاں کیں۔ حسن خاں میواتی کا چچا زاد بھائی جمال خاں میواتی تھا جو اپنے علاقے کا مشہور سردار و زمیندار تھا اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی سے بادشاہ نے خود شادی کی اور چھوٹی لڑکی سے بہرام خاں کی شادی کر دی [3]۔ جس سے عبدالرحیم خانخاناں

---

[1] تاریخ میوات ص ۷۱

[2] ایضاً ص ۷۱

[3] ایضاً ص ۷۲

جیسا یگانہ روزگار امیر پیدا ہوا۔

اس مرتبہ تردی بیگ خاں ولایت دہلی کے انتظام پر مقرر ہوا اس نے حاجی خاں (شیر شاہی) سے نارنول کے علاقے کو حاصل کر لیا۔ جہاں حاجی خاں نے فساد برپا کر رکھا تردی بیگ نے میوات تک اس کا پیچھا کیا اور اس علاقے میں امن و امان قائم کر دیا اس کے بعد ہیمو بقال کا واقعہ پیش آیا جس نے ہمایوں کے مرنے کے بعد اپنی قوت کو بڑھا لیا تھا اس کے ہمراہ شادی خاں میواتی بھی تھا کہا جاتا ہے کہ ہیمو کے مقابلے میں تردی بیگ نے سہل انگاری سے کام لیا بہرام خاں نے اس کو قتل کرا دیا[۱] بیرام خاں نے اپنے زوال کے زمانے میں میوات کو اپنے قیام اور سرگرمیوں کا مرکز بنایا شیخ گدائی (ف ۹۷۶ھ) بھی اس کے ہمراہ میوات میں[۲] تھا ممکن ہے اس قیام کی وجہ میواتیوں سے رشتہ دارانہ تعلقات ہوں۔ بیرام خاں حجاز روانہ ہونے کی بجائے بعض مشیروں کے مشورے سے میوات میں مقیم ہو گیا اور جب شہرت ہوئی کہ شاہی فوجیں مقابلے کے لئے آرہی ہیں تو اس نے تمام شاہی لوازم اور ساز و سامان اپنے بھانجے حسین قلی خاں کے ذریعے میوات سے بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا[۳]

اکبری عہد چونتیسویں سال جلوس اکبری میں شاہ قلی محرم خاں نے میوات پر تاخت کی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اکبر بادشاہ زابلستان (افغانستان) سے واپس آرہا تھا وہ ہاتھی کی شرارت سے جہلم کے قریب گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ لوگوں نے یہ خبر دوسری طرح مشہور کر دی بعض علاقوں میں ہنگامہ برپا ہو گیا بغاوت راجپوتوں

---

[۱] مآثر الامراء از صمصام الدولہ شاہنواز خاں (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری) (مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۸ء) جلد اول ص ۶۸۹

[۲] ایضاً ص ۴۶۳ - ۴۶۴

[۳] ایضاً جلد دوم ص ۵۴۳

نے باوجودیکہ ان کے سردار بادشاہ کے حضور میں تھے، بیرات رواقع ریاست الور) کو لوٹ لیا۔ اور میوات سے ریواڑی تک کا علاقہ تباہ وبرباد کر دیا۔ پینتیسویں سال جلوس اکبری میں شاہ قلی خاں محرم ان سرکشوں کی تنبیہہ کے لیے تعینات ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے اس علاقے میں امن قائم کر دیا [۱] اکبری عہد میں محمد خاں بھی میوات کا حاکم مقرر ہوا جس نے الور میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی [۲]

شاہ چوکھا و شیخ چاپن اکبری عہد میں شاہ چوکھا نے میوات میں دین اسلام کو خوب فروغ دیا۔ ان کا اصلی نام شیخ ابوالفتح عرف احمد بخش تھا وہ پاک پٹن کے باشندے اور شیخ نظام بندگی کے مرید و خلیفہ تھے [۳] اکبری عہد میں ایک نامور فاضل شخص شیخ چاپن میواتی (ف ۹۹۹ھ) بھی گزرے ہیں۔ یہ میوات کے قصبہ سہنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ نہایت فاضل صوفی اور شیخ عبدالعزیز دہلوی (ف ۹۹۸ھ) کے خلیفہ تھے فصوص الحکم اور نقد الفصوص جیسی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ شروع میں اکبر بادشاہ شیخ چاپن کا بڑا معتقد تھا [۴]

محمد خاں کے بعد اس کا لڑکا نورالدین میوات کا حاکم مقرر ہوا [۵] جہانگیر کے زمانے میں میوات میں اکثر ہنگامے ہوتے رہے عہد جہانگیری میں مرزا معصوم فالخانان بھی کچھ دنوں کے لیے میوات کا حاکم رہا اور پھر معزول ہو گیا [۶]

---

[۱] مآثرالامرا جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۶۴۷، ۱۳۷، ۶۴۶

[۲] مآثرالامرا جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۹۱

[۳] تاریخ میوات ص ۷۳، ۷۴

[۴] ایضاً ص ۸۵ - ۸۶

[۵] تذکرہ علمائے ہند از رحمٰن علی (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری) (کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۱۴۵۴

[۶] تاریخ میوات ص ۷۴

شاہجہانی وعالمگیری دور شاہجہاں بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد خدمت پرست خاں ایک بڑی فوج لے کر میواتیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر ہوا۔ اس نے بہت خونریزی کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کرایا جو بچے، بوڑھے اور جوان تلواروں سے بچ گئے ان سب کو خصی کرا دیا تاکہ ان کی نسل ہی منقطع ہو جائے۔ عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد قیدی بنا کر آگرہ لے آیا۔ ان میں سے بہت سے بھوک سے مر گئے [1]

اٹھارہویں سال جلوس شاہ جہانی میں شاہ بیگ خاں ازبک میوات کا فوجدار مقرر ہوا۔ ایک سال کے بعد دوسرا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ عہد شاہجہانی میں خلیل اللہ بھی میوات کا حاکم مقرر ہوا۔[2]

شاہجہاں بادشاہ کے مشہور سپہ سالار مہابت خاں (وفات ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء) نے میوات کے خانزادوں میں شادی کی اور اس کا نامور فرزند مرزا امان اللہ میواتی الاصل بیوی کے بطن سے تھا جس نے عہد جہانگیری و شاہجہانی میں نمایاں کارنامے انجام دیے[3]

میوات کا علاقہ دارا شکوہ کی جاگیر میں تھا جب عالمگیر بادشاہ سر اقتدار آیا تو ۱۰۶۸ھ میں اس نے محمد جعفر خاں پسر الہ وردی خاں کو چکلہ میوات کی ضبطی پر مقرر کیا ۱۰۸۲ھ میں میوات میں ست نامیوں کا ہنگامہ برپا ہوا یہ فقرا، خود کو زندہ جاوید سمجھتے تھے یہ لوگ نارنول اور میوات میں رہتے تھے۔ انہوں نے اعلانیہ بغاوت کی اور قرب و جوار کے زمینداروں سے مل گئے۔ شجاعت خاں رعد انداز خاں نے ان کے زور کو توڑا اور امن و امان قائم کیا[4] خلیل اللہ کی بجائے عبدالرحیم خاں میوات کا حاکم بنایا گیا جس

---

[1] مآثر الامرا جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۷۱

[2] مآثر الامرا جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۳۳۷

[3] مآثر الامرا جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۳۳۷

[4] مآثر الامرا جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۶۷۷ - ۶۷۸

نے الور کے قلعہ کی مرمت کرائی اور ایک مسجد بھی بنوائی جو ۱۹۱۹ء تک موجود تھی[1]
جب عبدالرحیم خاں معزول ہوا تو میوات کا حاکم محمد امین خاں مقرر ہوا اس نے وہاں
ایک کنواں تعمیر کرایا جس پر یہ کتبہ نصب تھا

"در عہد سعادت مہد وزماں دولت ابد پیوند بادشاہ عالم گیر اورنگ زیب
بہادر خلد اللہ ملکہ احقر العباد اللہ محمد امین ولد شمس الدین ولد محمد
قمرالدین چاہ فی سبیل اللہ بنا نمود تا سکان شہر وجملہ خلائق فیض یابند
فی التاریخ غرہ ربیع الاول ۱۰۷۳ھ"

اس نے کنوئیں کے قریب ایک مسجد بھی بنوائی تھی جو اب شہید ہو گئی ہے[2]
بیسویں سال جلوس عالم گیری میں محتشم خاں میر ابراہیم میوات کا فوجدار مقرر ہوا[3]
عالم گیر کے عہد میں میوات میں ہر قسم کا امن و امان رہا اس کے بعد جب مغل
متاخرین کے زمانے میں مرکزی حکومت کمزور ہو گئی تو نظم ونسق میں اضمحلال پیدا
ہو گیا۔ میوات مختلف امرا اور صوبیداروں کی بدانتظامی کا شکار رہا

خاں زماں میواتی | مغل متاخرین کے زمانے میں خاں زماں میواتی میوات کا
نامور آدمی گزرا ہے جو شاہی منصب اور امارت پر فائز رہا اسکا باپ غلام مصطفیٰ،
فیروزپور (میوات) کا قاضی زادہ اور بہادر شاہ اول کے محافظ دستے کا سپاہی تھا
خاں زماں، منعم خاں سے متعلق تھا جو شاہزادہ محمد معظم شاہ کا دیوان
تھا جب لاہور کے قریب معظم شاہ تخت سلطنت پر جلوس آرا ہوا اور اس
نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تو خاں زماں کو کار طلب خاں کا خطاب ملا اور وہ
لشکر کے بازار کا کروڑی مقرر ہوا۔ منعم خاں کی وزارت کے زمانے میں اس نے

---

[1] تاریخ میوات ص ۷۶ [2] تاریخ میوات ص ۷۷

[3] مآثر الامرا از صمصام الدولہ شاہنواز (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری) مرکزی اردو بورڈ لاہور مارچ ۱۹۷۰ء
جلد سوم ص ۵۳۷

اور ترقی کی اور وہ چکلہ اٹاوہ کی فوجداری پر مقرر ہوا جب فرخ سیر سریر آرائے حکومت ہوا تو وہ اس سے مل گیا اور جہاندار شاہ کی لڑائی میں اس نے خوب بہادری دکھائی جس کے نتیجے میں وہ ملتان کا صوبیدار مقرر ہوا۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں اس کا اقتدار ختم ہو گیا [۱]

مسلم حکومت کے زمانے میں میوات کے نظم و نسق کا یہ ایک ہلکا سا خاکہ ہے

---

[۱] مآثر الامرا جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۸۱۷ - ۸۲۰۔

باب چہارم

میوات میں دینی انحطاط

غیر مسلم معاشرت نظم ونسق کے اعتبار سے میوات کا علاقہ مرکز سے باقاعدہ وابستہ رہا مگر مذہب و معاشرت اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے جو نمایاں تبدیلی اس علاقے میں ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی۔ تمدن وتہذیب کے اعتبار سے گویا ہندو ثقافت ہی کا مظہر رہا شادی وغمی کے تمام مراسم بالکل ہندوانہ تھے ہندوانہ لباس۔ دھوتی، لہنگا، انگیا، بچے کی پیدائش پر چھٹی۔ منگنی کی رسم، شادی کے موقع پر چاک پوجنا، منڈھا کرنا کنگنا باندھا آڑتا سنجیٹری کا ہونا، فال اور شگون لینا، ہولی دیوارلی وغیرہ منانا عام باتیں تھیں [1] خاں بہادر ڈپٹی منظفر احمد فضلی (ف ۱۹۳۰ء) نے اپنی کتاب "سیمرغ" میں انکی معاشرت کا خوب نقشہ کھینچا ہے [2]

لڑکیوں ہی کی نہ تھی کچھ گت بری — شرک سے تھی ملک کی حالت بری
سیتلا کو پوجتے تھے جا بجا — یہ مرض گویا کہ اک معبود تھا
ہولی دیوالی مناتے تھے تمام — کافروں کی رسم پر تھے خاص عام
مانتے تھے بھوت پریوں کی نیاز — جانتے تھے ان کو اپنا کارساز
زین خاں کی منتوں کا زور تھا — شرک میں کفار کا سب طور تھا
ہر گلی کوچے میں با شور وفغاں — تھا علم گوگا کی چھڑیوں کا نشاں
تھا کوئی لونا چماری کا غلام — ٹوٹکوں میں جانتا تھا اپنا کام

---

[1] تاریخ میوات ص ۸۲ - ۸۴ مآثر الاجداد از منظور الحق صدیقی (مکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۹۶۴ء) ص ۹۷، ۱۰۸

[2] مآثر الاجداد ص ۹۹ - ۱۰۰

شیخ سدو کی نیازوں کا تھا زور | مول تھا بکروں کا بس کچھ سے کچھ اور
ہر بشر کے شرک سے لیل و نہار | تھا زباں پر نعرہ یا دم مدار
ٹھاکروں کی بھینٹ چڑھتی تھی کہیں | غیر کے سجدے میں گھستے تھے جبیں
گودتے تھے نیل سے اپنا بدن | اک نئی تصویر تھا ہر عضو تن
میتوں پر سوگ رکھتے سال بھر | بین کرتے ان کے حال و قال پر

"اخبار قلعہ رائے سین" کے مؤلف لکھتے ہیں [1]

"یہاں نام کے مسلمان میواتی اور مہوبیہ بھی ہیں جو اگرچہ اپنے کو مسلم کہتے ہیں مگر جاہل، بت پرست، دیبی و مہادیو وغیرہ کو پوجتے اور پرشاد چڑھاتے ہیں۔ اسلامی صرف یہ علامت ہے کہ گاوا گوشت کھالیا اور حضرت شاہ مسعود غازی و شاہ مدار کا نام لے کر ان کو بھی سجدہ کرلیا۔"

مولانا ابوالحسن ندوی کا بیان مولانا ابوالحسن علی ندوی نے میو قوم کے دینی تنزل، اخلاقی انحطاط اور اسلام سے بیگانگی کو الور، گوڑگانوہ اور بھرت پور کے گزٹیروں کی روشنی میں بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے [2]

> میو برائے نام مسلمان ہیں ان کے اور ہندوؤں کے بعض دیوی دیوتا اور تیوہار مثلاً ہولی دیوالی اور جنم اشٹمی مشترک ہیں شادی میں پنڈت بھی آتا ہے اماوس کو تعطیل کرتے ہیں ہنومان کے نام کا چبوترہ بناتے ہیں۔ لباس بھی ہندوانہ ہوتا ہے۔ مرد زیور پہنتے ہیں۔ اپنے عادات میں آدھے ہندو ہیں اور بڑے ڈھیلے ڈھالے لاپرواہ مسلمان ہیں سالار مسعود غازی کی زیارت کے لئے بہرائچ جاتے ہیں مگر حج کو کبھی نہیں

---

[1] اخبار قلعہ رائے سین از مولوی عبدالباقی سہسوانی (لکھنؤ ۱۹۲۴ء) ص ۳۳

[2] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت از مولانا ابوالحسن ندوی (کتب خانہ حقانیہ کراچی ۱۹۶۵ء) ص ۸۰-۷۶

جاتے. لڑکیوں کو ترکہ کبھی نہیں ملتا. بچوں کے ملے جلے اسلامی اور ہندوانہ نام رکھتے ہیں ضعیف الاعتقاد اور توہم پرست بھی ہیں شگون بہت لیتے ہیں. غارت گری اور رہزنی ان کا پیشہ ہے۔

مولوی احترام الدین شاغل جے پوری مرحوم ۱۹۶۶ء میں ان کے متعلق لکھتے ہیں [1]

"راجستھان کے ضلع الور اور بھرت پور میں میوات کا ایک بڑا رقبہ ہے بہت سے گاؤں صرف میوؤں سے آباد ہیں تقسیم ملک کے موقع پر اس طبقہ کو بہت نقصان پہنچا البتہ اب کچھ سنبھلے ہیں مگر عام طور پر تعلیم سے منزلوں دور ہیں دیہاتی زندگی اور کاشت کاری پیشہ ہے نہایت جفاکش اور محنتی لوگ ہیں. تمدن و معاشرت اور بعض غیر مسلمانہ رسم و رواج ان لوگوں میں اب بھی ملتے ہیں. فنون لطیفہ سے عام طور پر قطعاً ناآشنا ہیں۔"

اور پھر میواتی اپنی اس ڈھیلی ڈھالی اور غیر اسلامی زندگی میں کتنے پختہ تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگائیے۔

مولوی مراد علی کا بیان | مولوی مراد علی المتخلص بہ ہوشیار (ف ۱۹۰۰ء) لکھتے ہیں [2]

"شروع ۱۸۵۶ء میں میں اپنے والد (مولوی کریم الدین عرف کریم بخش) کے ہمراہ مریدوں میں دورہ کرنے کے لیئے گیا تھا. گشت لگاتے لگاتے قصبہ روپڑا پرگنہ و تحصیل نوح ضلع گوڑگانواں میں جو میو اینوں کا ایک گاؤں ہے پہنچے تو مسمی راجو خاں میواتی کے یہاں ٹھہرے جو اس

---

[1] بصائر کراچی جنوری ۱۹۶۶ء ص ۱۸۱

[2] جامع الفتاوٰی معروف بہ تحفۂ مرادیہ از مولوی مراد علی (مطبع چراغ راجستھان اجمیر ۱۸۸۶ء) ص ۱۱-۱۲

قصبے کا نمبردار اور میرے والد کا مرید تھا۔ راجو خاں مذکور نے ہماری بہت خاطر کی حتیٰ کہ مولانا کے پیر دھو کر اس پانی کو اپنے غلہ میں چھڑکا اور بلائیں دور ہونے کے لئے سارے گھر میں وہ پانی چھڑکا گیا۔ راجو خاں مذکور باوجود مسلمان ہونے کے بڑی بڑی مونچھیں رکھتا تھا جنہیں منہ کے اندر گھسی ہوئی تھیں اور داڑھی بالکل صفاچٹ تھی۔ پاجامہ تھا نہ دھوتی ایک لنگوٹ باندھے ہوئے تھا جس کے باعث دونوں سرین اور رانیں بلکہ پاکی تک کی جگہ نظر آتی تھی۔ حضرت والد صاحب نے اول راجو خاں کے گھر پر وعظ کہا ہزاروں مرد اور عورت اس قوم کے موجود تھے جنہوں نے اسی وقت بہت سی ناجائز باتوں سے توبہ کی اور نماز شروع کی۔ مولانا نے وعظ ختم فرما کر راجو صاحب سے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ داڑھی منڈانا آج سے ترک کرو بیں بڑھانا بالکل چھوڑ دو بجائے لنگوٹ، تہبند یا پاجامہ پہنو اگر تم ان باتوں کو ترک نہ کروگے تو کبھی نہ بخشے جاؤ گے۔ مولانا نے یہ نصیحت راجو خاں کو اس انداز سے سنائی کہ دوسرے میواتی جو حاضر تھے ڈر کر رونے لگے اور اسی وقت توبہ کی اور تہبند باندھا مگر راجو خاں صاحب نے ہر موقع پر یہی جواب دیا کہ حضرت میرا باپ ایسی ہی قطع کے ساتھ رہتا تھا حتیٰ کہ اسی لباس میں مرگیا۔ بھلا میں اپنے باپ کی چال ڈھال چھوڑ کر ناخلف کیوں کہلاؤں۔ مولانا نے بہتیرا سمجھایا کہ میاں ہمارے بنی کے بزرگ بت پرست تھے اور صدہا مسلمانوں بلکہ اولیاء اللہ، علماء کے والدین کافر و مشرک تھے لیکن جب خدا تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل و کرم فرما کر سچے دین کی راہ بتائی تو ان لوگوں نے

فوراً اپنے والدین اور بزرگوں کے طریقوں سے توبہ کی۔ پس کیا تیرا باپ
خدانخواستہ کفر میں مر کر جہنم میں گیا تو تو بھی جائے گا۔ راجو خاں نے ساری
نصیحتوں کا یہی جواب دیا کہ پیر جی صاحب اور جو کچھ آپ فرمائیں بسر و چشم
منظور ہے لیکن اپنے باپ کی چال ڈھال کو تو کبھی نہ چھوڑوں گا خدا
بہشت میں بھیجے چاہے دوزخ میں"۔ القصہ اس مرد خدا نے نہ لبیں کٹوائیں
نہ داڑھی رکھی اور لنگوٹ باندھنا بھی نہ چھوڑا"۔

طبقاتی کشمکش | اس موقع پر ہم ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری
سمجھتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلم معاشرہ دو طبقات پر مشتمل رہا ہے ایک وہ
مسلمان جن کے آباء واجداد عراق و ایران اور ماوراء النہر و افغانستان سے مختلف
حیثیتوں میں آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے اور یہ لوگ اقلیت میں ہیں دوسرے
وہ مسلمان جو اصل نسل کے اعتبار سے خالص پاکستانی و ہندوستانی ہیں اور یہ لوگ
اکثریت میں ہیں۔ طبقہ اول کے لوگ حکومت کے نظم و نسق میں پوری طرح سے دخیل
رہے ہے۔ حکومت، فوج، زمینداری، جاگیرداری، سول عہدے غرض ملکی معیشت کے
تمام شعبے ان ہی کے قبضے اور اقتدار میں رہے اور بڑی حد تک حکومت کے اعلیٰ
اور ادنیٰ مناصب اور عہدوں پر وہی فائز ہوتے اور یہ روایت کچھ ایسی ساعت
سعید میں قائم ہوئی تھی کہ مغل متاخرین کے زمانے تک غیر ملکوں سے در آمد ہونے
والے لوگوں کی انفرادی حیثیت برقرار رہی اور طبقہ دوم کے لوگ بڑی حد تک ان
حقوق و مراعات سے محروم ہی رہے۔ مشہور مورخ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
لکھتے ہیں [1]

"مغلوں (ہلاکو و چنگیز خاں) کے پچاس سالہ مظالم نے حوصلوں کو پست

---

[1] قول حق از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۹ء) ص ۱۱۰

اور خیالات کو تنگ کر دیا تھا۔ ہندوستان میں جہاں سپاہی پیشہ مسلمانوں
نومسلموں اور ہندوؤں کی آبادی تھی اور فاتح و حکمراں ہونے کی حیثیت
سے اس وسیع و زرخیز ملک میں مسلمانوں کو ہر قسم کی فراغت و راحت
میسر تھی ان آنے والوں نے اپنی خاندانی عظمت اور برباد شدہ دولت
وحشمت کا یقین دلا کر عزتیں اور جاگیریں حاصل کیں اور فوجی انتظامی
عہدوں پر مامور ہوئے۔"

محمد تغلق دہلی کا وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے برصغیر کے ان قبائل
کے بعض لائق افراد کو جو مسلمان ہو چکے تھے، حکومت کے نظم ونسق میں شریک کیا اور
بعض کو اعلیٰ عہدے دئے یہ بات ان باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کو ناگوار ہوئی
جو بلا شرکت غیرے حکومت کے نظم ونسق میں دخیل تھے اور انہوں نے نسلی برتری
اور نسبی افتخار کے غیر اسلامی رجحان کو بھی ہوا دی[1]

طبقہ دوم کے لوگ بھی دو حصوں میں تقسیم ہوئے ان میں بھی کچھ لوگ وہ تھے جو
غیر مسلم معاشرے میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے وہ امتداد زمانہ کے بعد کسی
حد تک سرکاری ملازمتوں اور مراعات سے مستفید ہوئے دوسرا حصہ وہ تھا جس
نے اسلام تو قبول کر لیا مگر اپنے پیشوں، صنعتوں، حرفتوں اور تجارتوں کو نہیں
چھوڑا یہ پیشہ ور مسلمان معاشرے کی بہت سی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے مگر معاشرے
میں ان کے ساتھ تیسرے درجے کا سلوک ہوا حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاکستان و
ہند میں مسلم معاشرے کو پورے طور سے استحکام اور یک جہتی نصیب نہ ہو سکی ۔
ہندوستانی و پاکستانی اصل ونسل کے مسلمانوں کو باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں

---

[1] آئینہ حقیقت نما جلد دوم از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (کراچی ۱۹۵۸ء) ص ۵۱۵ - ۵۱۹، سلاطین دہلی
کے مذہبی رجحانات از خلیق احمد نظامی (دہلی ۱۹۵۸ء) ص ۳۲۵، تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۵۰۵

نے نہ صرف نظر انداز کیا۔ بلکہ تذلیل وتحقیر تک کو روا رکھا گیا اردو زبان کے مشہور مورخ وادیب اور درگاہ مارہرہ (یو پی) کے سجادہ نشین حضرت احسن مارہروی (ف ۱۹۴۰ء)[1] کے فرزند سید رفیق (ف ۱۹۶۶ء) کے زبان قلم سے اس خونچکاں داستان کو سنئے[2]

"میرا یہ مادری خاندان اپنا آبائی ہندو مذہب ترک کرنے اور مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی جہالت و غربت سے عہدہ برآ نہ ہو سکا جس کی وجہ بجز اس کے ہرگز کوئی دوسری نہیں ہو سکتی کہ یہ تبدیلئ مذہب درحقیقت وہی شکل اختیار کر گئی کہ جہاں پہنچ کر ذاتی مفاد کے تحت انسان حد سے زیادہ خود غرض اور متعصب ہو جاتا ہے چنانچہ میری پدری سلسلۂ نسل کے بزرگوں نے میرے اس خاندان کی آئندہ تمام مادی و روحانی ترقیات کا گلا گھونٹ دیا اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں کسی زمانے میں اسلام غیر اقوام کو دعوت اسلام دے کر اپنے دوش بدوش ترقی کرنے اور برابری کا درجہ حاصل کرنے میں پوری پوری معاونت کرتا تھا اور نومسلم کی پوری پوری ہمت افزائی کرتا تھا وہیں اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد پیروان اسلام غیر اقوام کو صرف اس لئے دائرۂ اسلام میں شامل کرتے ہیں کہ ان کی غربت و مفلسی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا سکے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے دکھ محسوس ہو رہا ہے کہ میرے نانا کو ترک مذہب کا یہ انعام ملا اور ایسی بھیانک قیمت ملی کہ آج اس کے اخلاف کی زندگیاں عبارت ہیں جہالت و پستی سے

---

[1] احسن مارہروی کی دوسری بیوی مسمی سلیم اللہ صاحب کی صاحبزادی تھیں سلیم اللہ صاحب کے والد کچھواہہ راجپوت تھے وہ خود مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ سید رفیق ان ہی نومسلم سلیم اللہ صاحب کی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوئے

[2] مسلمان اور نظریۂ شرافت از سید رفیق مارہروی (نظامی پریس بدایون ۱۹۵۲ء) ص ۲۵۲

وافلاس سے جہالت و بے مائگی سے اور اس خاندان کی تاریخ معمولی ملازمتوں اور خدمت گزاریوں سے یکسر مملو ہے"

یہ سراسر غیر اسلامی رجحان ہے اور اس سے ملّت اسلامیہ کو برصغیر میں سخت نقصان پہنچا دراصل اسی رجحان اور پالیسی کے مارے ہوئے میواتی بھی تھے۔ ان کی پورے طور پر تربیت نہ ہوئی۔ مسلم حکمرانوں اور بادشاہوں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ نہ امراء و وزراء کو اس کی توفیق نصیب ہوئی۔ علماء و فقہا کو تو یہ فرض یاد ہی نہیں رہا اور حقیقت یہ ہے کہ غیر اسلامی تمدن و معاشرت، رسم و رواج اور عقائد کے شکار صرف میواتی ہی نہیں رہے بلکہ پاکستان و ہند کے دوسرے مسلم قبائل بھی اس صورت حال سے دوچار ہوئے۔ دکن، راجستھان، کشمیر، سندھ، بنگال۔ کم و بیش سب جگہ کا یہی حال رہا۔ بلکہ بات یہاں تک بڑھی کہ بلگرام کے "سادات عظام" کے یہاں برہمن بھی نام رکھنے لگا ایک اقتباس ملاحظہ ہو [۱]

"بلگرام میں جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس کا نام جہاں اس کے ماں باپ رکھتے ہیں وہیں برہمن بھی رکھتا ہے خواہ ماں باپ نے اولاد کا نام آگے رکھ ہی کیوں نہ لیا ہو، برہمن ضرور آئے گا اور حسب دستور پروہت لے کر نام رکھے گا چنانچہ بندہ زادہ ہوا۔ اس کا نام میں نے کلب علی رکھا برہمن نے "دوست علی" رکھا"

اسی طرح دلی کے چھتّال کا خاندان میر فیض الحسن ساکن سونی پت کی اولاد کے نام رکھتا تھا اگرچہ اس کو ہندو مسلم اتحاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن بات سراج الحسن اور شمس الحسن سے موتی اور پنّا تک پہنچتی ہے یعنی رخ کعبہ سے کاشی کی طرف مڑ رہا ہے۔

---

[۱] تاریخ بلگرام ص ۹۷ بحوالہ مسلمان اور نظریۂ شرافت ص ۱۰۳

ملا واحدی لکھتے ہیں [1]

"میر فیض الحسن کے خاندان میں بچہ ہوتا تو سونی پت سے دلی خبر آتی اور چھنا مل والوں کی کوٹھی سے رقم بھیجی جاتی اور رقم کے ساتھ کوٹھی کی طرف سے بچے کا نام بھی بھیجا جاتا جسے وہ لوگ بطور عرف کے استعمال کرتے تھے۔ شادی بیاہ کے موقع کے لئے چھنا مل کافی بڑی رقم مقرر کر گئے تھے

میر فیض الحسن کے پوتے میر سراج الحسن میرے خاندان میں بیاہے ہوئے تھے ان کا چھنا ملی عرف مونی تھا اور ان کے چھوٹے بھائی میر شمس الحسن کا عرف پنا تھا"

ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب "سادات عظام" ہندوؤں کے سماجی تعلقات سے اس قدر وابستہ تھے تو مسلم عوام کا کیا حال ہوگا۔ خواجہ الطاف حسین حالی نے مسدس حالی میں کیا خوب لکھا ہے

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر ۔۔۔ جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر ۔۔۔ کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں ۔۔۔ اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں ۔۔۔ شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ۔۔۔ ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں

---

[1] تاثرات از ملا واحدی (ہمدرد اکیڈیمی، کراچی ۱۹۷۰ء) ص ۵۰

رہا شرک باقی نہ وہم وگمان میں   وہ بدلا گیا آکے ہندوستان میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلمان

باب پنجم

میوات میں علماء کی تبلیغی کوشش

مغل متاخرین کے زمانے میں سیاسی بدنظمی کے ساتھ ساتھ دوسرے شعبے بھی متاثر ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ (ف ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اور ان کے خاندان کو مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور تہذیبی خدمات کی توفیق دی۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان شاہ عبدالعزیزؒ (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) شاہ عبدالقادرؒ (ف ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) شاہ رفیع الدین (ف ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور اس خانوادے کے دوسرے بہت سے تربیت یافتہ علماء و صلحاء نے اسلام اور ملت اسلامیہ کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ایک شاگرد محمد رمضانؒ (ف ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء) ساکن مہم ضلع رہتک نے علاقہ میوات وغیرہ میں خوب اصلاحی و تبلیغی کام کیا۔

شاہ محمد رمضان مہمی شاہ محمد رمضان ولد شیخ عبدالعظیم قصبہ مہم ضلع رہتک میں ۱۱۸۳ھ میں پیدا ہوئے[1] دہلی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے کسب فیض کیا۔ شاہ عبدالعظیم گیلانی ثم پانی پتی سے قادری سلسلے میں بیعت ہوئے۔ شاہ محمد رمضان اپنے مخلص مریدوں کی معیت میں سال کا بڑا حصہ دوروں میں گزارتے تھے ہریانہ، میوات اور سوتر کے علاقے میں اصلاح و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے چنانچہ تعمیر مسجد، دختر کشی کی موقوفی، بیتلا دیوی کی پوجا کا خاتمہ، زین خاں، لونا چماری، ماموں اللہ بخش، شیخ سدو، گوگا پیر کی فرضی

[1] شاہ رمضان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "ہادی ہریانہ" (سوانح شاہ رمضان) از منظور الحق صدیقی لاہور ۱۹۶۳ء)

ارواح خبیثہ سے متنفر کرنا اور مسلمانوں کے لباس کو رواج دینا ان کی اصلاحی تحریک کے خاص کارنامے ہیں۔ شاہ رمضان نے مسلم راجپوتوں کو ہندو راجپوتوں سے بالکل علیحدہ کر دیا۔ مصنف نقیب الاولیاء کا بیان ہے [1]

"ہریانہ، میوات اور سوتر میں ہزاروں کافر آپ (شاہ رمضان) کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر و شرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی"

آخر میں ہم اس علاقے کے ایک دیندار راجپوت حافظ رحمت خاں ساکن موسیٰ کھیڑا کی ایک نظم کے پانچ بند نقل کرتے ہیں جس سے شاہ رمضان کی اصلاحی کارناموں کا اندازہ ہو گا [2]

توہیں نے شرع دی چال سکھائی — بھلی خلقت رستہ پائی
کامل کیتا دین ایمان
حضرت ہادی شاہ رمضان

عین عجائب تیرا سایا۔ — جاں نہ دلی وعظ سنایا
ہک فرنگی دوڑا آیا — نترت فرت ایمان لے آیا
ہور میں کی کراں بیاں
حضرت ہادی شاہ رمضان

عزور اور تکبر والے — پینڈے جیہڑے خمر پیالے
دیکھ تینوں ہوئے خوش حالے — تائب ہوئے چھڈن بدچالے

---

[1] نقیب الاولیاء۔ از مظفر احمد فضلی جلد دوم دفتر دوم ص ۵۷ بحوالہ مآثر الاجداد ص ۹۷

[2] ہادی ہریانہ ص ۷۵-۷۶

تابع تیرے جن و انسان

حضرت ہادی شاہ رمضان

فرخ نگر توں اندر آیا — ہک عورت نوں جن وسایا

کسی عامل دے قید نہ آیا — سن کے تیرا ناں انسایا

کیہا تیرا امن جیوان

حضرت ہادی شاہ رمضان

قصہ ست دھیاں والا — قتل اولاد دا ہنا نداچالا

مار دھیاں کر دے منہ کالا — اوتھے گیوں توں کڈھ کسالا

دیکھ تینوں ہوئے حیران

حضرت ہادی شاہ رمضان

بقول مؤلف مآثر الاجداد شاہ رمضان کی اصلاحی تحریک کا آغاز ۱۷۹۶ء میں ہوا[1] اور تقریباً تہائی صدی تک انہوں نے اس کی رہنمائی کی ۱۸۲۵ء میں وہ حج سے واپس آرہے تھے کہ مندسور میں مقیم ہوئے اور وہاں بوہروں کی ایک جماعت نے شاہ محمد رمضان اور ان کے ساتھیوں حاجی رحمت خان، قاضی معین الدین عبدالقادر اور احمد علی کو شہید کر دیا یہ واقعہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۰ھ (۱۸ جنوری ۱۸۲۵ء) کو ہوا[2]

شاہ محمد رمضان ایک نامور عالم، واعظ، مبلغ اور شیخ طریقت ہی نہیں تھے بلکہ مصنف اور شاعر بھی تھے۔ ہریانی زبان میں انہوں نے قابل قدر اصلاحی و تبلیغی کتابیں لکھیں جن میں عقائد عظیم، آخری گت، بلبل باغ نبی، وصیت نامہ وغیرہ خاص

---

[1] مآثر الاجداد ص ۹۷

[2] ایضاً ص ۱۱۴ - ۱۱۵

طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولوی نور محمد مولوی نور محمد جوڑا یا قبیلہ کے رکن تھے نورانیہ کے رہنے والے تھے مگر بیگھڑ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ رام پور میں علوم متداولہ کی تحصیل کی شاہ محمد رمضان سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے مگر وحدت الوجود کے مسئلہ پر اختلاف ہو گیا انہوں نے شاہ رمضان کے رد میں شہباز شریعت کتاب لکھی[1] اور ان کی تکفیر کی۔ اس اختلاف نے یہاں تک شدت اختیار کی کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کو فیصلہ صادر کرنا پڑا[2] بہرحال مولوی نور محمد نے اس علاقے میں اصلاح و تبلیغ کا کام خوب انجام دیا پروفیسر منظور الحق صدیقی لکھتے ہیں[3]

"لیکن اس ایک مخالفت سے مولوی نور محمد صاحب کے تمام کام پر پانی نہیں پھر جاتا۔ اس محترم شخصیت نے ضلع حصار کی تحصیل فتح آباد میں لوگوں کو عامل شرع بنانے کے لئے بڑا قابل قدر کام کیا۔ ایک لحاظ سے ان کے کام کو بھی حضرت شاہ محمد رمضان کی تحریک کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اس تحریک نے لوگوں کو اصلاحی کام کی ضرورت محسوس کرائی اور مولوی نور محمد صاحب نے تو تربیت ہی حضرت شاہ (رمضان) صاحب مہمی کے حلقہ درویشاں میں پائی تھی"

محمد اسمٰعیل مہمی وہ شاہ محمد رمضان کے چھوٹے بھائی تھے ۱۲۰۶ھ میں کاہنور ضلع رہتک میں پیدا ہوئے۔ مروجہ تعلیم کے علاوہ طب کی بھی تحصیل کی۔ شعر و شاعری کا بھی شوق تھا وہ شاہ غلام جیلانی رہتکی کے خلیفہ تھے۔ ان کے ذریعے سے بھی

---

[1] مآثر الاجداد ص ۱۰۹

[2] فتاوی عزیزی جلد اول (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ) ص ۵۰-۵۳ مآثر الاجداد ص ۳-۵-۶-۵

[3] ہادی ہریانہ ص ۱۱۳-۱۱۴

میوات میں اصلاح وتبلیغ کا کام ہوا۔ ان کے خاص خلیفہ میاں راج شاہ میواتی تھے جن کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ایک بنیئے بابرو لدپتر چند کی مخبری پر ان کو پھانسی دی گئی (۲۸ جمادی الاولی ۱۲۷۴ھ) ؎

مولانا محبوب علی دہلوی شاہ محمد رمضان کے بعد شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ایک دوسرے نامور شاگرد مولانا محبوب علی دہلوی نے میواتیوں میں تبلیغ کا کام باندازِ خاص کیا وہ اپنے زمانے کے نامور عالم وفاضل تھے مولانا محبوب علی ابن مصاحب علی ابن حسن علی خاں ۱۲۰۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے ان کے متعلق مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں ؎

"ان کی توجہ زیادہ تر حدیث اور تفسیر پر ہے اور ان کی ہمت حتی المقدور علم کے مطابق عمل میں مصروف ہے ہر معاملہ میں ذہن رسا اور فکر درست رکھتے ہیں طرز مباحثہ اور طریق مناظرہ کو مختصر تقریر میں عمدہ ادا کرتے ہیں"

سر سید احمد خاں رقم طراز ہیں ؎

علم حدیث و فقہ میں اقران و امثال سے جہاں ندیدہ، سفر کردہ، تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ کی جناب مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز کے خاندان رفیع الارکان سے کی۔ ان فنون میں ایسی مہارت رکھتے ہیں کہ مسائل جزئیہ مثل لوح محفوظ کے ان کے تختہ حافظہ میں منقوش ہیں"

مولوی عبدالقادر نے "مصروفیت عمل" اور سر سید احمد خاں نے "سفر کردن" سے ممکن ہے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی طرف ہی اشارہ کیا ہو۔ مولانا محبوب علی کا ۱۸۶۴ء میں انتقال ہوا۔ وہ صاحب تصانیف تھے ان کے چار رسالے اختصار الصیانۃ

؎ مآثر الاجداد ص ۱۱۸ - ۱۲۲

؎ علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۰ء) ص ۲۵۴

صیانتہ الایمان' اور رسالہ دربیان عدم جواز رفع سبابہ ہماری نظر سے گزرے ہیں[1]
مولوی محبوب علی کی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں مؤلف تاریخ میوات لکھتے ہیں[2]

"(مولانا محبوب علی) زبردست فاضل' غازی' متشرع عالم تھے غدر سے پہلے آپ میوات میں تشریف لائے۔ آپ کی تعلیم کا طریقہ نرالا تھا جو ان جاہل اکھڑ میواتیوں کو گرویدہ کر لیا کرتا تھا۔ بہلی کرایہ کر کے گاؤں گاؤں دورہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ ہی کے وعظ و نصیحت سے میوات میں صوم و صلوٰۃ کا رواج ہوا اور مسجدیں تعمیر ہونے لگیں ورنہ قبل اس کے مسجد بنانے کا دستور نہ تھا آپ نے تاریخ میوات لکھنے کا بھی اہتمام کیا مگر ناتمام رہا۔ مولوی عبداللہ خاں میواتی سکنہ ساکرس سے ہم کو بعض آپ کے قلمی مسودے ملے تھے۔ جن سے ہم نے اس تاریخ میں استفادہ کیا ہے"

مولوی کریم الدین | ان کے بزرگ سادھوڑہ (پنجاب) کے قدیم باشندے تھے ان کے دادا نقل مکانی کر کے بیکانیر کی ریاست میں آگئے اور قصبہ نوہر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ پیری مریدی کے سلسلے میں علاقہ میوات' رہتک ہانسی حصار میں دورے کرتے تھے۔ میاں راجو خاں کے ضمن میں ان کے سفر میوات کا ذکر ہو چکا ہے[3] ان کے نامور فرزند مولوی مراد علی تھے اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہی مولوی کریم الدین کا انتقال ہو گیا۔[4]

---

[1] مولوی محبوب علی کی ایک کتاب "تصویر التنویر یعنی سنۃ البشیر النذیر در رد تنویر العینین مؤلفہ شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی"

[2] تاریخ میوات ص ۱۸۴ [3] ملاحظہ کتاب ہذا ص ۴۶-۴۷

[4] ملاحظہ ہو یادگار مراد علی از مولوی مراد علی (مطبع چراغ راجستھان اجمیر ۱۳۱۶ھ)
جامع الفتاوی معروف بہ تحفۂ مرادیہ ص ۱۱-۱۲

مولوی محمد مرید جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد چند ایسے نام ملتے ہیں کہ جن کی اصلاح و تبلیغ سے میوات میں خاصا کام ہوا. ہمارا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اور پھر جنگ کے بعد مواخذہ کے خوف سے میوات میں سکونت پذیر ہو گئے. اس سلسلے میں مولوی محمد مرید اور مولوی نور علی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں. ان ہر دو حضرات کے متعلق مؤلف تاریخ میوات کا بیان ہے [۱]

مولوی محمد مرید اور مولوی نور علی صاحبان نے تشریف لا کر میوات میں شعائر اسلام کی ترویج کی اور اجرائے احکام دینی اشاعت سنت نبوی کی تبلیغ کا وہ کام کیا جس سے آج کوئی دیکھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ میو ایک مسلمان قوم ہے. لوگ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہونے لگے"

مولوی محمد مرید کے متعلق مؤلف تاریخ میوات لکھتے ہیں [۲]

"آپ آفریدی النسل ہیں. ایام غدر میں آپ تشریف لائے ڈاکٹر نذر محمد مرحوم کا بیان ہے کہ آپنے جولائی ۱۸۵۷ء میں مجھ سے ملاقات فرمائی. آپ کے پیر میں گولی کا زخم تھا. میں نے آلات ڈاکٹری سے صاف کیا. چندے میرے پاس قیام کیا اور پھر تبلیغ دین میں مشغول ہو گئے. فیروز پور میں مرزا صاحب کے یہاں آپ کی شادی ہوئی" آپ نے میوات میں اسلام کی ترقی کا وہ کام کیا جو احاطہ تحریر سے باہر ہے"

---

[۱] تاریخ میوات ص ۸۷ - ۸۸

[۲] ایضاً ص ۸۸

مولوی محمد مرید کے صاحبزادے مولوی محمد حسن نے بھی ترویج سنت کے لئے بہت کام کیا۔

مولوی نور علی | مولوی نور علی بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے میں میوات پہنچے اور ریواڑی میں قیام کیا۔ ان کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کی رسوم کو میواتیوں سے چھڑانے میں بہت کوشش کی۔ مولوی نور علی نے ۱۹۰۰ء میں موضع منڈالہ (تحصیل نوح) میں تہجد کی نماز میں بحالت سجدہ انتقال کیا[1]

میاں راج شاہ | اسی زمانے میں دو میواتی الاصل بزرگوں نے بھی تبلیغ کے فرائض انجام دیے جن میں ایک میاں راج شاہ تھے جو ایک صوفی اور مرتاض بزرگ تھے۔ ان کا سلسلہ بیعت وارشاد میرٹھ، بلند شہر، مراد آباد اور پنجاب تک پھیلا ہوا تھا۔ مؤلف تاریخ میوات لکھتے ہیں[2]

"بڑے بڑے سرکش میواتی، شرابی، مشرک، بدعتی، فاسق، بے دین آپ کے پاس آیا کرتے تھے مگر آپ کو دیکھتے ہی کلام سن کر ایسے گرویدہ ہوتے کہ تمام صغائر کبائر سے تائب ہو کر پکے صوفی راہ سلوک پر چلنے والے بن جاتے"

میاں راج شاہ کا شجرہ نسب اس طرح ہے راج خاں ولد سمیع خاں ولد عظمت خاں ولد روپ چند ولد شمو ولد ترتا ولد پہاڑ ـــ وہ موضع سوندہ تحصیل نوح ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے تھے۔ مولوی محمد اسماعیل مہی کے مرید د خلیفہ تھے[3] چالیس سال جمعہ کی نماز بلا ناغہ دہلی میں پڑھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور

---

[1] تاریخ میوات ص ۸۸

[2] تاریخ میوات ۹۲

[3] مآثر الاجداد ص ۱۱۹

شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے وعظوں میں خاص طور سے شرکت فرماتے تھے تمام مسائل عقلی و نقلی مستحضر تھے۔ نذیر احمد دیوبندی لکھتے ہیں [۱]

"تمام ملک میوات آپ کا مطیع و منقاد تھا۔ فیض آپ کا وہ تھا کہ قریب پچاس ہزار آدمیوں کے آپ سے مستفیض ہوئے خصوصاً پانچ خلیفہ تو آپ کے بہت مشہور و معروف ہیں اول خلیفہ غازی الدین شاہ کہ ریاست بھرت پور و دھول پور و قرب و جوار مثل ریاست قنولی و اکبرآباد وغیرہ میں ہزارہا اشخاص مستفیض ہوئے ..... دوسرے خلیفہ چھوٹے شاہ صاحب کہ جن سے ضلع مراد آباد و ضلع میرٹھ وغیرہ میں ہزارہا انسان 'انسان' ہو گئے اور بقوت جذبی و کمالی 'عقد ثانی امروہہ و بارہ بستی افغاناں میں جاری کر دیا"

۸ رمضان ۱۳۰۶ھ کو میاں راج شاہ کا انتقال ہوا۔ عمر سو سال کے قریب پائی 'سوندہ میں دفن ہوئے۔

مولوی عبداللہ خاں بلاوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل نام سائیں خاں تھا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (ف ۱۲۹۷ھ) کے خاص شاگرد تھے مولانا سہارنپوری نے ان کا نام بدل کر عبداللہ خاں رکھ دیا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی (ف ۱۲۹۷ھ) سے بھی شرف تلمذ تھا۔ آخر عمر میں تصوف کی طرف زیادہ میلان ہو گیا تھا۔ شیخ ابن عربی کی تصنیفات فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ وغیرہ مطالعہ میں رہتی تھیں چنانچہ علم تصوف کے پیچیدہ اور دقیق مسائل چشم زدن میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ علم کلام میں بھی خاصی دسترس رکھتے تھے۔ مؤلف تاریخ میوات لکھتے ہیں [۲]

---

[۱] تذکرۃ العابدین امداد العارفین از نذیر احمد دیوبندی (دہلی ۱۳۳۳ھ) ص ۱۹۲

[۲] تاریخ میوات ص ۴۹

"میواتی قوم میں اول آپ کا نام مبارک ہے جنہوں نے دینی علوم کی تحصیل کر کے ترویج دین پر کمر ہمت باندھی۔ ابتدا میں آپ وعظ بھی فرماتے تھے جو نہایت درد اور تحقیق سے مملو ہوا کرتا تھا۔ بعد میں آپ نے وعظ کہنا ترک کر دیا تھا مگر پھر بھی اصرار کرنے سے کبھی کبھی فرما دیا کرتے تھے اور ایسا پر درد بیان فرماتے کہ شاید ہی کوئی ایسا سنگ دل ہوتا ہو گا۔ جس کی آنکھوں سے آنسو نہ بھر آتے ہوں اور رقت طاری نہ ہو جاتی ہو۔ خاکسار کو بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔"

باب ششم

عیسائیت اور آریہ سماج کی تحریکیں۔

دراصل میوات میں اصلاح و تبلیغ کا یہ پہلا دور ہے جس میں مختلف حضرات نے انفرادی طور سے کوشش اور جدوجہد کی اور میواتیوں کو اسلام سے قریب لانے میں کوشاں ہوئے اس کا دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوا جب مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی نے بستی نظام الدین اولیاء (دہلی) میں قیام کیا لیکن اس سلسلے کی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے ہم یہاں مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیوں اور ایک خالص ہندو تحریک "آریہ سماج" کا مختصر سا ذکر ضروری سمجھتے ہیں تاکہ تبلیغی جماعت کی افادیت کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

عیسائیت کی داغ بیل عیسائیت کی داغ بیل پرتگالیوں، انگریزوں، اور فرانسیسیوں نے اس ملک میں آنے کے بعد ڈال دی تھی مگر جب یہاں انگریزوں کی سیاسی قوت کو غلبہ اور استحکام نصیب ہو گیا تو پھر یہاں کے باشندوں میں تدریجی طور سے باندازِ خاص عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی گئی۔ چرچ، مشن، بائبل سوسائٹیاں، ریلیجس سوسائٹیاں، اسکول، لائبریری، کالج اسپتال اور یتیم خانے کھولے گئے۔ اس مقصد کے لئے اخبار اور رسالے جاری کئے گئے۔ چھاپے خانے قائم ہوئے ان اداروں کے ذریعے سے برصغیر میں عیسائیت کے پھیلانے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ امریکہ اور اسکاٹ لینڈ کے مشنریوں نے بھی بہ نہایت توجہ اور کوشش سے اپنے ادارے قائم کر کے ان کوششوں کو اور تیز کر دیا ۱۸۱۳ء کے منشور کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجازت سے کلکتہ میں

باقاعدہ بشپ کا تقرر عمل میں آیا اور متعدد پادری اس کے تحت مقرر ہوتے اور جلد ہی اس تنظیم نے وسعت اختیار کر لی پادریوں نے ہندوستان کے ہر صوبے اور علاقے کی مقامی زبانیں سیکھیں اور ان زبانوں میں انہوں نے اپنا تبلیغی لٹریچر منتقل کیا. حکومت کی طرف سے مشنریوں کو باقاعدہ مدد دی جاتی تھی. سرسید احمد خاں لکھتے ہیں [۱]

سرسید احمد خاں کی گواہی "۱۸۳۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی کئے گئے وہ تمام اضلاع مغربی و شمالی میں ارادہ گورنمنٹ کے ایک نمونہ گنے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح پر مفلس اور محتاج کر کر اپنے مذہب میں لے آئینگے"

"اکثر حکام متعہد اور افسران فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو. اور ایسا ہی ہوتا تھا"

"بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحب کے ساتھ تھانے کا ایک چپراسی جانے لگا"

سب سے زیادہ تشویشناک وہ چٹھی تھی جو پادری اے. ایڈمنڈ نے ملازمین اور معززین کو بھیجی تھی اور جس میں صاف طور سے اعلان کیا گیا تھا کہ اب ہندوستان میں صرف ایک مذہب ہونا چاہیئے اور وہ عیسائی مذہب ہے سرسید احمد خاں لکھتے ہیں [۲]

۱۸۵۵ء میں پادری اے. ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً معزز لوگوں کے پاس چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب

---

[۱] اسباب بغاوت ہند از سرسید احمد خاں (مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی) (کراچی ۱۹۵۷ء) ص ۱۲۱-۱۲۳

[۲] اسباب بغاوت ہند ص ۱۲۹-۱۳۰

یہ تھا اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی مذہب بھی ایک چاہیئے اس لیئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ"

مناظرے پادریوں نے پورے ملک میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور مناظروں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ۱۸۵۵ء میں آگرہ میں سی۔جی۔فنڈر (ف ۱۸۶۵ء) نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے مناظرہ کیا۔ یہ اس زمانے کا ایک مشہور مناظرہ تھا اس میں پادری فنڈر کو شکست ہوئی۔ اسی طرح ۱۸۷۶ء میں چاند پور ضلع شاہجہانپور (یو۔پی) میں کلکٹر ضلع کی اجازت و منشاء سے ایک مذہبی میلہ منعقد ہوا جس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حقانیت اسلام پر ایسی مدلل اور واضح تقریر کی کہ پادری نولس کو خاموش ہونا پڑا۔ ۱۸۹۰ء میں پادری جارج الفرڈ لیفرے (ف ۱۹۱۹ء) نے مولانا اشرف الحق دہلوی سے مناظرہ میں شکست کھائی لیفرے نے دہلی اور اسکے قرب و جوار میں چماروں میں خاص طور سے عیسائیت پھیلائی۔

ٹامس والپسی فرنچ (ف ۱۸۹۱ء) نے پنجاب میں عیسائیت کو بڑی تندہی سے پھیلایا اس نے ملتان میں مشن کالج قائم کیا ۱۸۷۷ء میں وہ لاہور کا بشپ مقرر ہوا اس نے وہاں گرجا تعمیر کرایا۔ والپسی فرنچ نے ہندوستان سے جا کر مسقط میں عیسائیت کی داغ بیل ڈالی۔

چارلس ولیم فورمین (ف ۱۸۹۴ء) نے بھی لاہور میں عیسائیت کی خوب اشاعت کی۔ رابرٹ کلارک (ف ۱۹۰۰ء) امرتسر اور پشاور میں مشن کا انچارج رہا۔ اینڈریو گارڈن (ف ۱۸۸۰ء) نے سیالکوٹ میں گرجا بنایا اور پنجاب کے چوہڑوں میں خاص کام کیا اگرچہ سرحد کے علاقوں کی مخالفت کی گئی۔ مگر وہ اس سے باز نہیں آیا ڈاکٹر تھیوڈور لائٹن پینل (ف ۱۹۱۲ء) نے اسکے اس کام میں عیسائیت کو روشناس کرایا اور اس نے سخت محنت اور کوشش کی [1]

---

[1] یہ ساری معلومات "فرنگیوں کا جال" از امداد صابری (دہلی ۱۹۴۹ء) ص ۹۵ - ۱۱۰ سے ماخوذ ہیں

چند پادری | یہاں ہم نے چند ان ممتاز پادریوں کا ذکر کر دیا ہے جن کی کوششیں بہت مشہور و معروف ہیں اب ہم ان چند پادریوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہندوستانی الاصل ہیں اور انہوں نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے عیسائیت قبول کی ان میں سرفہرست پادری عماد الدین پانی پتی (ف ۱۹۰۰ء) ہے جس نے عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق بہت زہر افشانی کی اور اس بارے میں اس نے بہت سے رسالے لکھے اسی طرح نارنول کا ایک شخص وارث علی (ف ۱۹۱۴ء) عیسائیوں کے جھانسے میں آکر مرتد ہو گیا اور اس کا عیسائی نام وارث الدین رکھا گیا اس نے بھی پنجاب میں کام کیا اسی طرح جگراؤں (ضلع لدھیانہ) کا ایک شخص مسمی محمد بخش "پادری طالب الدین" کے نام سے معروف ہوا۔ اس نے بھی عیسائیت کی تائید میں بہت سی کتابیں لکھیں [1]

ہندوؤں میں سے جنہوں نے عیسائیت قبول کر کے شہرت پائی ان میں پادری کالی چرن (ف ۱۹۱۶ء) پادری دینا ناتھ (ف ۱۸۸۸ء) پادری ٹھاکر داس (ف ۱۹۱۰ء) اور ماسٹر رام چندر دہلوی (ف ۱۸۸۰ء) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں [2]

علماء کے جوابی کارنامے | علمائے کرام نے نہایت پامردی، استقلال اور جرأت سے پادریوں کا ہر میدان میں مقابلہ کیا۔ مناظرے کئے عیسائیت کے رد میں تصنیف و تالیف کے سلسلے میں بھی خاصا وقیع کام کیا جس سے پادریوں کو منہ کی کھانی پڑی اور عیسائیوں کے منصوبے پورے نہ ہو سکے۔ علمائے کرام میں

---

[1] ملاحظہ ہو فرنگیوں کا جال ص ۱۰۳ - ۱۱۲

[2] فرنگیوں کا جال ص ۱۰۶ - ۱۱۲

مولوی عباس علی فاروقی ساکن جاجمئو (ضلع الہ آباد، یو۔پی) کی کتاب صولۃ الضیغم شروع دور کی نہایت وقیع کتاب ہے جو عیسائیت کے رد میں لکھی گئی [1] مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ) کا اسم گرامی عیسائیت کے لیے تیغ براں ہے [2] انھوں نے آگرہ میں پادری فنڈر کو شکست دے کر اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ استنبول میں اسے نیچا دکھایا۔ ان کی گرانقدر تصنیفات اظہار الحق۔ ازالۃ الشکوک، اعجاز عیسوی اور معیار التحقیق وغیرہ رد عیسائیت میں خاصی مشہور ہیں

مولوی آل حسن موہانی (ف ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ) نے بھی عیسائیت کے رد میں بڑا کام کیا رد نصاریٰ میں ان کی مشہور تصنیف "استفسار" ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مشہور انقلابی قائد ڈاکٹر وزیر خاں نے بھی عیسائیت کے رد میں خاصا کام کیا وہ آگرہ کے مناظرہ ۱۸۵۵ء میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے معاون تھے انھوں نے پادری فنڈر سے تحریری مناظرہ کیا جس کی مکمل روداد ان کی کتاب "البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف" میں ملتی ہے۔ دہلی کے مشہور عالم امام المناظرین ابوالمنصور ناصر الدین (ف ۱۳۲۰ھ) نے پادریوں کو مناظروں میں ہمیشہ مات دی۔ مولانا ابوالمنصور ان لوگوں پر خاص نظر رکھتے تھے جنھوں نے مرتد ہو کر عیسائیت اختیار کر لی تھی مولانا کی کوششوں سے اکثر دوبارہ داخل اسلام ہوئے انھوں نے مناظرین کی تربیت کے لیے ایک درسگاہ قائم کی۔ عیسائیت کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس سلسلے کے آخری بزرگ مولانا شرف الحق دہلوی (ف ۱۹۳۶ء) تھے جنھوں نے عیسائیوں کے رد میں بڑا کام کیا مناظرے

---

[1] صولۃ الضیغم از عباس علی (مطبع سنگین لکھنؤ ۱۲۵۸ھ)

[2] ملاحظہ ہو آثار رحمت از امداد صابری (دہلی ۱۹۶۷ء)

کیئے. کتابیں لکھیں. عیسائیوں سے خوب مچیٹے لیئے اور ان کو نیچا دکھایا ان کے نامور فرزند امداد صابری صاحب ہیں جو ہندو پاکستان کے مشہور صاحب قلم ہیں[1]

غرض اس وقت علمائے کرام نے وقت کی نزاکت کو سمجھا اور عیسائیت کے سیلاب کے خلاف ایسا بند باندھا کہ وہ سیلاب آگے نہ بڑھ سکا انگریزی حکومت کی سرپرستی اور مشنریوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود برصغیر میں عیسائیت کو وہ فروغ حاصل نہ ہو سکا جس کی ان کو توقع تھی. عام طور سے پس ماندہ اور اچھوت طبقے میں عیسائیت کو کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی. مسلمانوں میں عیسائیت کی کامیابی کا اوسط نہ ہونے کے برابر رہا.

جدید تعلیم یافتہ طبقہ مشنریوں کی کوششوں کے مقابلے میں مغربی علوم وفنون اور انگریزی تعلیم وتہذیب نے مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو عیسائیت سے قریب تر کر دیا. قیام پاکستان سے قبل انگریزی حکومت کے زمانے میں جو چیزیں مسلم معاشرے میں غیر پسندیدہ اور نامقبول تھیں. وہ آزاد ہونے کے بعد ان کی معاشرت کا جزو بن چکی ہیں. مسلمانوں کی معاشرت تہذیب وتعلیم، لباس اور شعبۂ حیات میں مغربی تمدن کی چھاپ نظر آتی ہے نئی نسل، آزاد خیالی اور وسیع النظری کے بہانے سے اسلام سے دور ہوتی جا رہی ہے. مسلمان نوجوانوں کی یورپ و امریکہ میں تعلیم و تربیت، یورپ و امریکہ کے اساتذہ کا ایک خاص مقصد کے تحت پاکستان کی یونیورسٹیوں میں امدادی استاد مقرر ہونا، مختلف پلانوں اور فانڈیشنوں کے ذریعہ جدید رجحانات کی اشاعت، پاکستان کے بعض خالص علمی اداروں کے ذریعے بانداز خاص اپنے

---

[1] ان علمائے کرام کے حالات کے لیئے دیکھئے فرنگیوں کا جال ص ۲۳۹۔ ۲۶۵

نظریات کا شیوع: یہ چیزیں مغربی تہذیب کی اشاعت کے خاص ذرائع ہیں جن کی طرف بظاہر قوم کی نظر نہیں جاتی یہی وجہ ہے کہ آج مسلم نوجوان اسلام سے دور اور عیسائیت یا لامذہبیت سے قریب ہوتا جارہا ہے وہ اپنے مذہب و ثقافت سے بیگانہ بلکہ متنفر ہے جس کے مظاہرے بھی دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں۔ ارباب بست وکشاد اور اہل علم وفضل کی بڑی ذمہ داری ہے کہ حالات کا غائر نظر سے مطالعہ کریں اور اجتماعی طور سے ہر شعبہ جیات میں مسلم نوجوان کی رہبری کریں ورنہ مستقبل ایک ہولناک طوفان کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔

آریہ سماج | بات ذرا بڑھ گئی اب ہم پھر اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تعلیم وتہذیب، علوم وافکار، جدید تحقیقات، انکشافات اور سائنسی ایجادات کے اثر سے ہندو بھی متاثر ہوئے اور ان میں مختلف اصلاحی تحریکات برہمو سماج، دیو سماج، رادھا کرشنا مشن، تھیوسوفیکل سوسائٹی وغیرہ جاری ہوئیں۔ جو اسلام اور عیسائیت دونوں سے متاثر تھیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں ہندوں کے اندر ایک نئی تحریک "آریہ سماج" کا آغاز ہوا۔ جس کو دیانند سرسوتی[1]

[1] دیانند سرسوتی کا نام مول شنکر ولد کشن لال تھا وہ ۱۸۲۴ء میں ریاست ماروی (کاٹھیاواڑ) کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا اسکا باپ شیومت کا ماننے والا تھا۔ پانچ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۴ سال کی عمر میں اس نے شیوراتری کی پوجا کے موقع پر ایک چوہے کو شیو کی مورتی پر گھومتے دیکھا جس سے اسے شیو دیوتا کی بیچارگی کا احساس ہوا اور اس میں ایک ذہنی انقلاب پیدا ہو گیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں ۱۸۴۶ء میں وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا برہمچریہ کی زندگی اختیار کی۔ بڑودہ میں سوامی پرمانند کے پاس پہنچا پھر گرو پرمانند کے توسط سے سنیاس لیا اسی وقت سے اسکا نام "دیانند سرسوتی" مقرر ہوا۔ اسکے بعد وہ مختلف یوگیوں سے ملا۔ ہردوار وغیرہ گھوما پھر سنیاس کی زندگی سے مایوس ہو کر وہ پھر مزید تحصیل علم کی غرض سے ۱۸۶۰ء میں متھرا پہنچا اور ایک نابینا پنڈت سوامی ورجانند کے پاس تین سال علم حاصل کیا وہاں سے فارغ ہو کر دو سال آگرہ میں مقیم رہا اسکے بعد اس نے آریہ سماج تحریک کا آغاز کیا مختلف مقامات پر دورے کئے۔ آریہ سماج کے قیام اور پرچار میں

نے شروع کیا۔ یہ ویدک مذہب اور قدیم ہندو تمدن کے احیار کی تحریک تھی۔ ویدوں کا پرچار، سنسکرت زبان کی اشاعت، ہندو تہذیب کی ترویج، معاشرتی اصلاح اچھوت ادھار، عقد بیوگان کا رواج، نیوگ کا اجرار، گئو رکشا، گئو شالاؤں کا قیام بچپن کی شادی کا انسداد تعلیم نسواں کی اشاعت اور مسلمانوں کو حریف سمجھتے ہوئے ہندوؤں میں قومی احساس بیداری پیدا کرنا، اس تحریک کا مقصد تھا

آریہ سماج کی خدمات کو سراہتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو رقم طراز ہیں [۲]

"سب سے مشہور اصلاحی تحریکات میں سے ایک تحریک انیسویں صدی کے نصف آخر میں ایک گجراتی سوامی دیانند سرسوتی نے شروع کی اس تحریک نے پنجاب کے ہندوؤں میں خوب زور پکڑا اور یہ (تحریک) آریہ سماج تھی اور اس کا نعرہ تھا "ویدوں کی طرف واپس آؤ" حقیقت میں اس نعرے کا یہ مطلب تھا کہ ویدوں کے زمانے سے آریہ مذہب میں جو اضافے ہوئے ہیں وہ خارج کئے جائیں۔ ویدانت فلسفہ جو بالآخر اس درجے پر پہنچا ذات واحد روح اور مادہ ایک ہیں) کا مرکزی تصور، نظریہ وحدت وجود۔ اسی طرح عام اور غیر مہذب اضافات سب چیزوں کا بری طرح رد کیا گیا یہاں تک کہ ویدوں کی خاص انداز میں تاویل کی گئی۔ آریہ سماج اسلام اور عیسائیت کے اثرات کا ردعمل تھا۔ خاص طور سے اول الذکر کے خلاف تھا یہ (آریہ سماج) اندر سے

بقیہ حاشیہ [۱] کا ۔ لگ گیا ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اجمیر میں فوت ہوا۔ ملاحظہ ہو آریہ سماج از دیوان چند (لاہور ۱۹۴۲ء) ص ۱-۱۶

[۲] ڈسکوری آف انڈیا از جواہر لال نہرو کلکتہ ۱۹۴۶ء) ص ۲۹۰

مسلمانوں سے مقابلہ کرنے والی اور اصلاح کرنے والی تحریک ہے
اور اسی طرح خارجی حملوں کے خلاف محافظت کے لئے ایک
مدافعانہ تنظیم ہے اس نے غیر ہندوؤں کو ہندو بنا کر ہندوؤں
میں شامل کرنے کا طریقہ جاری کیا اور اس طرح اس کا دوسرے
تبلیغی مذاہب سے تصادم شروع ہو گیا۔ آریہ سماج اب تقریباً
اسلام کے انداز پر آچکا تھا۔ ہندوؤں کی ہر اس چیز کی مدافعت
کرنے لگا کہ جس کے متعلق گمان ہوتا تھا کہ اس بارے میں دوسرے
مذاہب نے مداخلت کی ہے۔ امتیازی بات یہ ہے کہ یہ مذہب
پنجاب اور یوپی کے متوسط طبقے کے ہندوؤں میں خاص طور سے
پھیلا ایک موقع پر گورنمنٹ (برطانیہ) نے ایسا خیال کیا کہ (آریہ
سماج) ایک سیاسی انقلابی تحریک ہے لیکن اس (آریہ سماج) کے
اندر گورنمنٹ ملازمین کا ایک بڑا طبقہ تھا۔ اس طبقے نے اس کے
اعزاز کو بڑھایا (گورنمنٹ کی غلط فہمی دور ہو گئی) لڑکوں اور لڑکیوں
دونوں میں تعلیم پھیلانے، عورتوں کی حالت سدھارنے اور پسماندہ
طبقے کے معیار اور مرتبے کو بڑھانے میں اس (آریہ سماج) نے بہت
اچھا کام کیا ہے"

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ ہندو سماج میں فکر کی ہم آہنگی اور
یک جہتی مفقود تھی ذات پات کی تقسیم مختلف ذاتوں اور قبیلوں میں مختلف
دیوی دیوتاؤں کی پرستش کسی الہامی کتاب کا نہ ہونا، پنڈت اور برہمنوں کی خود
ساختہ مذہبی تعبیرات، اوہام پرستی عام باتیں تھیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے اس
تحریک کے بانی نے اسلام کا غائر نظر سے مطالعہ کیا اور اس نے بہت

سے اصول اپنے انداز پر اختیار کر لئے۔ ہندوؤں کو "آریہ" قوم اور ہندوستان کو "آریہ ورت" کا نام دیا۔ تاکہ وہ برصغیر کے بلا شرکت غیرے مالک ٹھہریں، ویدوں کو الہامی کتب ٹھہرایا۔ "اوم" خدا کا ذاتی نام مقرر کیا۔ کلمۂ طیبہ کے انداز پر گائتری منتر کو رواج دیا۔ سلام علیکم کی جگہ "نمستے" کا اجرا کیا۔ ذات پات کی تفریق کو کم کرنے پر زور دیا سندھیا جاری کی۔ قدیم ویدک مذہب و ثقافت کو باعث فخر قرار دیا۔ عام ہندو مذہب کے خلاف "غیر ہندو" کو آریہ بنانے کا کام شروع کیا اور اس کا اصطلاحی نام "شدھی" رکھا۔ سوامی دیانند نے یو پی، پنجاب، بہار، بنگال، بمبئی اور راجستھان میں خوب دورے کئے اور ہندو امرا اور راجاؤں سے ملاقاتیں کیں۔

آریہ سماج کا قیام ۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کا باقاعدہ قیام عمل آیا اور مئی ۱۸۷۶ء میں بنارس میں وید بھاشیکا کی طباعت کا انتظام کیا تاکہ ملک میں پورے طور سے ویدک لٹریچر کی اشاعت ہو سکے۔ مارچ ۱۸۷۷ء میں چاندا پور (ضلع شاہجہانپور یو پی) میں انگریزی سرکار کی اجازت اور سرپرستی میں میلہ خدا شناسی منعقد ہوا جس میں سوامی دیانند نے شرکت کی۔ یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ برصغیر ہند و پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سرکار انگریزی کی سرپرستی میں ہندوؤں کو یہ جرأت و ہمت ہوئی کہ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلے پر اپنے مذہب کی برتری کو عام پبلک میں پیش کیا اور حکومت نے اپنی سازش سے ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابل لا کھڑا کیا اس جلسے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۹۷ھ اور مولانا محمد علی بچھرایونی (ف ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) وغیرہ علماء نے اپنی تقریروں سے ان سازشوں کو ناکام بنا دیا [1]

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مباحثۂ شاہجہانپور از مولانا محمد قاسم نانوتوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۰۴ء) "گفتگوئے مذہبی (میلہ خدا شناسی) از مولانا محمد قاسم نانوتوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۲ھ) ست دھرم وچار (دھرم چرچا برہم وچار چاندا پور) مطبوعہ آریہ کمپنی پریس لاہور (سال طباعت ندارد)

آریہ سماج تحریک کی وسعت | بعدازاں سوامی دیانند نے سب سے زیادہ توجہ پنجاب پر کی اور اٹھارہ مہینے اس صوبے میں قیام کیا اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ پنجاب آریہ سماج کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ ۲۴، جون ۱۸۷۷ء کو لاہور میں آریہ سماج کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد امرتسر (۱۲، اگست ۱۸۷۷ء) گرداس پور (۲۴، اگست ۱۸۷۷ء) فیروزپور (نومبر ۱۸۷۷ء) گوجرانوالہ (۱۴، فروری ۱۸۷۸ء) ملتان (۱۴، اپریل ۱۸۷۸ء) میں آریہ سماج کی شاخیں قائم ہوئیں۔ اسی زمانے میں راولپنڈی، جہلم، وزیرآباد، گجرات میں آریہ سماج کا قیام عمل میں آیا[1] پنجاب کے ہندوؤں میں نیا جوش پیدا ہوگیا اور انہوں نے پورے طور سے قومی بیداری کا کام شروع کر دیا لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے سنسکرت پاٹھ شالائیں قائم کیں۔ ڈی۔ اے۔ وی (دیانند اینگلو ورناکیولر) اسکول اور کالج قائم ہوئے۔ اس کے بعد سوامی دیانند نے یوپی۔ بہار اور راجپوتانہ کا دورہ کیا۔ رڑکی (۲۰، اگست ۱۸۷۸ء) میرٹھ (۲۹، ستمبر ۱۸۷۸ء) دہلی (۹، اکتوبر ۱۸۷۸ء) اور دہرہ دون (دسمبر ۱۸۷۹ء) بنارس (۲۵، اکتوبر ۱۸۸۰ء) آگرہ (۲۶، دسمبر ۱۸۸۰ء) میں آریہ سماج کی شاخیں قائم ہوئیں ۱۸۸۱ء کا بڑا حصہ سوامی دیانند نے راجپوتانہ میں گذارا اور اندور، رتلام اور چتوڑ کا دورہ کیا[2]

سوامی دیانند کی راجپوتانہ میں سرگرمیاں | راجپوتانہ میں سوامی دیانند نے اودے پور، جودھپور اور شاہ پور کے راجاؤں سے ملاقات کی۔ ان راجاؤں کو باقاعدہ اپنی تحریک آریہ سماج میں شامل کرکے اپنے مشن کا معاون و مددگار بنالیا اور ان ریاستوں کا سرکاری مذہب آریہ سماج قرار پایا۔ سوامی نے کشمیر کے مہاراجا سے بھی ملاقات کی ۔

---

[1] آریہ سماج ص ۲۲ - ۲۶

[2] آریہ سماج ص ۲۶ و مابعد

اودے پور کے راجا سجن سنگھ (ف ۱۸۸۴ء) کی دعوت پر وہ ۱۰ اگست ۱۸۸۲ء کو اودے پور پہنچے نولکھا باغ میں قیام کیا راجا صبح و شام بلا ناغہ سوامی جی کے پاس آتا تھا۔ مذہب، مذہبی کتب ریاست اور طرز حکومت پر گفتگو ہوتی تھی۔ راجا سوامی جی سے بہت متاثر ہوا اور ان کے کہنے سے فارسی کی بجائے دیوناگری رسم الخط جاری کر دیا گیا۔ سوامی جی نے تجویز کیا کہ ریاست میں ویدک پاٹھ شالائیں قائم ہوں اور ریاست کے سرداروں کے لڑکوں کو ملٹری ٹریننگ دی جائے[1]

ایک ہم عصر صحافی مولوی مراد علی لکھتے ہیں[2]

"مہاراجا سجن سنگھ ۱۸۷۴ء اکتوبر کو تخت نشین ہوئے آخر میں یہ راجا آریہ سماجی ہو گئے تھے کئی مرتبہ سوامی دیانند جی کو اپنے یہاں لے گئے اول مرتبہ سات ہزار اور دوسری مرتبہ دس ہزار روپیہ ان کو دیا، اپنے حکم کے سخت پابند تھے"۔

راجا سجن سنگھ کی دیکھا دیکھی راؤ ارجن سنگھ رئیس آسیند (ف ۱۸۹۶ء) بھی آریہ سماجی ہو گئے تھے[3] اودے پور سے سوامی جی شاہ پور آئے وہاں کا راجا نہار سنگھ بھی عقیدت سے پیش آیا اور تقریباً تین ماہ شاہ پور میں ان کا قیام رہا راجا نے آریہ سماجی مسلک قبول کر لیا۔

۲۶ مئی ۱۸۸۳ء کو سوامی دیانند جودھپور پہنچے وہاں کے راجا جسونت سنگھ کے بھائی پرتاب سنگھ نے سوامی جی کو راجا کی طرف سے دعوت دی تھی راجا جسونت سنگھ نہایت اعزاز سے پیش آیا۔ سوامی نے راجا کو چار گھنٹے تک سیاست

---

[1] آریہ سماج ص ۲۶ و ما بعد

[2] یادگار مراد علی از مراد علی ص ۲۳۱ - ۲۳۳

[3] یادگار مراد علی ص ۲۴۴

اور طرز حکومت پر لکچر دیا۔ اس کے بعد سوامی جی کے روزانہ لکچر ہونے لگے۔ جودھپور میں آریہ سماج کا قیام عمل میں آیا اور پرتاب سنگھ دیوان ریاست جودھپور صدر بنایا گیا۔ آریہ سماج دھرم کی اشاعت کے لئے ریاست کی طرف سے تیس ملازم رکھے گئے۔ یکم دسمبر ۱۸۸۳ء تک جودھپور میں سوامی جی کا قیام رہا[1]

مولوی مراد علی لکھتے ہیں [2]

"مہاراجا پرتاب سنگھ جی دیوان جودھپور نے سب سے پہلے مسلمانوں سے بدلہ لیا۔ یہ آریہ سماجی تھے۔ مسلمانوں کو اپنا دشمن جانتے تھے۔ سیکڑوں مسلمانوں کو نوکری سے موقوف کر دیا۔ تعزیہ داری کو بند کرا دیا۔ مسلمانوں کو آریہ سماج میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی پرتاب سنگھ نے ایک مسلمان سپاہی کو آریہ بنا لیا اور اس کی بیوی کے ماں باپ کو حکم دیا کہ اس کی عورت کو اس کے گھر میں بھیج دو انہوں نے عذر کیا کہ جب یہ شخص اسلام دین سے پھر گیا تو نکاح ٹوٹ گیا۔ وہ عورت اجمیر بھاگ آئی۔ پرتاب سنگھ نے اس کے باپ کو قید کر دیا[3]

ان تینوں راجاؤں کے متعلق مولوی مراد علی لکھتے ہیں [4]

"مہاراجا سجن سنگھ والی میواڑ اور مہاراجا پرتاب سنگھ برادر سری حضور جودھپور اور راجا دھراج ناہر سنگھ جی والی شاہ پورہ وغیرہ رؤسا ان کے چیلے ہو چکے تھے اور چپکے چپکے دیانندی مت کا تخم اکثر لوگوں کے

---

[1] آریہ سماج ص ۳۱ و مابعد

[2] یادگار مراد علی ص ۲۶۲ - ۲۶۳

[3] ایضاً ص ۲۶۹

[4] ایضاً ص ۵۰ - ۵۱

مزرعۂ دل میں بویا جاچکا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سوامی جی کے مرتے ہی ہیں
سماج کے سینکڑوں آدمی نمودار ہو گئے اور آج کے دن تو قیصر گنج میں
سماج کے ایوان پر دیانندی جھنڈا لہرا رہا ہے. سوامی جی سے ہم کو
بھی نیاز حاصل تھا. واقعی انہوں نے ہندوؤں میں اصلاح کرنے
کی کوشش کی مگر ساتھ ہی گئو رکھشا کا جھگڑا کھڑا کر دیا. ہندوؤں
کے دلوں میں مسلمانوں سے دشمنی کا بیج بو دیا. جس کی وجہ سے آئے
دن دونوں قوموں میں جو سات سو برس سے مل جل کر رہتی تھیں
فساد اور دنگے ہونے لگے چنانچہ اجمیر بھی اس فساد سے خالی نہیں
رہا. ۱۸۸۶ء میں خوفناک جھگڑا ہندو مسلمانوں میں دیواڑی اور
تعزیہ کی بابت ہوا۔"

خیال یہ ہے کہ سوامی دیانند کو انگریزی حکومت کی طرف سے اخلاقی
یا خفیہ تائید حاصل تھی وہ اکثر انگریز افسروں سے ملتے تھے وہ میجر اے. جی.
ڈیوڈسن کمشنر اجمیر اور گورنر جنرل کے ایجنٹ کرنل بروک سے ملے اور گاؤ
کشی بند کرانے پر زور دیا[1] اسی طرح ضلع بلند شہر اور امرتسر کے کلکٹر[2] سے سوامی
دیانند نے ملاقات کی گورداس پور کا انگریز انجینئر ان کے لکچروں میں آتا تھا[3]
پنڈت دیانند نے راجا جے کشن داس رئیس مراد آباد کے ایماء پر آریہ
سماج کے لیے ایک بنیادی کتاب "ستیارتھ پرکاش" لکھی. اس کتاب کے پہلے
ایڈیشن میں بارہ باب تھے مگر دوسرے ایڈیشن میں تیرہویں اور چودہویں باب

---

[1] دیانند پرکاش از ستیانند (ترجمہ سدرشن) لاہور ۱۹۲۷ء ص ۱۳۱ - ۱۳۴

[2] ایضاً ص ۱۸۲ - ۱۸۳

[3] ایضاً ص ۴۷۳ - ۴۷۴   [4] ایضاً ص ۴۸۱

کا مزید اضافہ ہوگیا۔ چودہویں باب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خوب زہر افشانی کی گئی۔ قرآن کریم پر ایک سو انسٹھ ۱۵۹ اعتراض کئے اس طرح فضا کو مکدر بنا دیا۔

ارتداد کا ہنگامہ یوں تو آریوں نے شدھی کا ہنگامہ شروع ہی کر دیا تھا مگر ۱۹۰۸ء میں یکایک نومسلم راجپوتوں میں انہوں نے شدھی (ارتداد) کا کام باقاعدہ طور پر کیا۔ جس سے مسلمانوں میں ہیجان برپا ہوگیا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کی کوششیں ناکافی اور غیر منظم تھیں۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں [۱]

"آریوں کی دست درازیوں کو روکنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ کہاں تک ٹھیک ہے موجودہ حالت یہ ہے کہ ہر انجمن نے اپنے اپنے واعظ اور مولوی مقرر کرکے مختلف مقامات پر بھیج دئے ہیں اگرچہ یہ مذہبی بے چینی اور مذہبی جوش کا ثبوت ہے لیکن اس موقع پر قوتوں کا متفرق کرنا نامناسب ہے"

آگے چل پھر علامہ شبلی لکھتے ہیں [۲]

"مسلمانوں نے جو کوششیں اب تک آریوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں کی ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ پراگندہ اور غیر منظم اور ناکافی ہیں اس لئے مخالفین کے سیلاب کو روک نہیں سکتیں"

۱۹۲۳ء میں شردھانند نے شدھی (ارتداد) کی تحریک اور ڈاکٹر مونجے نے سنگھٹن کی تحریک شروع کی اور مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ ہندوستان میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے حسب معمول مغربی یو۔پی کے اضلاع متھرا، بھرت پور

---

[۱] مقالات شبلی از علامہ شبلی نعمانی (اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء) ص ۵

[۲] ایضاً ص ۱۰

آگرہ وغیرہ میں ملکانے راجپوں اور لال خانیوں کو اور گجرات، کاٹھیاواڑ میں آغاخانیوں کو دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کی گئی [1] فضا مکدر کی گئی۔ فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہندو لیڈر گوکھلے، تلک، لاجپت رائے، مدن موہن مالویہ، ساورکر، شیام لال مکرجی، پرشوتم داس ٹنڈن، سمپورنانند وغیرہ سب آریہ سماج سے متاثر تھے اور مسلمانوں کے لیئے ان کے دل میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ آریہ سماج نے آریہ کمار اور آریہ ویرول قائم کیئے جنہوں نے بعد میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ اور جن سنگھ کی شکل اختیار کرلی۔

یہ آریہ سماج کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جس سے ہمیں اس تحریک کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی سرگرمیاں غیر منظم اور بے ربط نظر آتی ہیں اگرچہ انفرادی طور سے بعض علماء نے تقریری و تحریری مقابلے کیئے مگر سچی بات یہ ہے کہ جیسا کام ہونا چاہیئے تھا ویسا نہیں ہوا مگر یہ حقیقت ہے کہ آریہ سماج تحریک میوات میں آریوں کے حسب منشاء کامیاب نہ ہوسکی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں [2]

> "سادگی اور جفاکشی، عزم اور قوت عمل، پختگی اور صلابت اس قوم کے خاص جوہر تھے۔ جس میں میواتی مسلمانوں کی شہری آبادی سے بہت ممتاز تھے یہ پختگی اور صلابت ہی کا نتیجہ تھا کہ عملاً اسلام سے اتنے دور

---

[1] مہاراجا رنبیر سنگھ سابق والی کشمیر سے منسوب ایک کتاب

ہندی زبان میں شائع ہوئی جس کی اکیس جلدیں تھیں اور اس میں تمام نومسلم اقوام ہند کو دوبارہ ہندو بنانے پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت بالکل مخفی طور سے ہوئی (تحریک ارتداد کی مجمل تاریخ از غلام بھیک نیرنگ دہلی ۱۹۲۴ء) ص ۷

[2] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت از مولانا ابوالحسن ندوی (لکھنؤ ۱۹۵۵ء) ص ۶۹

ہونے کے باوجود اس علاقے میں انتہائی طغیانی کے زمانے میں بھی
ارتداد کا سیلاب کبھی نہیں آنے پایا اور باوجود اس کے کہ اس کے ہمسایہ
ملکانے اس عام سیلاب میں گلے گلے پانی میں تھے مگر میوات اس کی زد
سے باہر رہا اور اس وسیع علاقے میں ارتداد کے واقعات پیش نہیں
آئے۔"

باب ہفتم

مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی اور میوات سے تعلق

اب ہم تبلیغی جماعت کے ابتدائی دور میں داخل ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں سب سے پہلا نام مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی کا ہے۔

نور عرفان جبینش آشکار — عاشق صادق جناب کردگار
سینۂ او مخزنِ عشق خدا — روئے پاکش مطلع شمس الضحیٰ
دیدنش حب خدا یاد آورد — صحبتش سوئے خدا دل راکشد

مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی

مولوی محمد اسمٰعیل ابن شیخ غلام حسین قصبہ جھنجانہ (ضلع مظفر نگر، یو۔پی) کے رہنے والے تھے مشہور عالم مفتی الٰہی بخش (ف ۱۲۴۵ھ) کے خاندان میں مولوی مظفر حسین کی نواسی کے ساتھ ان کا عقد ہوگیا۔ اس طرح کاندھلہ وطن ثانی بن گیا، وہ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم تھے ۱۸۵۵ء میں دلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کی سرکار میں ان کے خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ملازم ہوئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب مرزا نے بستی نظام الدین اولیاءؒ میں سکونت اختیار کرلی تو چونسٹھ کھمبے کے اندر، اور باہر سکونتی مکانات تعمیر کرائے اور کھمبے کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنوائی، مولوی محمد اسمٰعیل کے رہنے کے لئے ایک حجرہ اور اپنی نشست کے لئے ایک کمرہ بنوایا جس پر ٹین کی چھت تھی جو بنگلہ کہلایا اور اسی اعتبار سے یہ مسجد بنگلہ والی مسجد مشہور ہوئی۔ یہی مسجد مولوی محمد اسمٰعیل کی دینی سرگرمیوں کا مرکز تھی اور اس مرکز کی نورانی شعاعوں سے بہت سے تاریک دل روشن ہوگئے۔

مولوی محمد اسمٰعیل نہایت سیدھے سادھے مرتاض، عابد، زاہد اور شب بیدار بزرگ تھے ذکر و عبادت ان کا مشغلہ تھا اور قرآن کی تعلیم ان کا مقصد حیات تھا وہ بے نفس اور صلح کل انسان تھے مخلوق کی خدمت میں ان کو خاص لطف آتا تھا تواضع اور انکسار ان کا مزاج تھا. مزدوروں کا بوجھ اتروا کر ان کو پانی پلاتے اور خوش ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خدمت کا موقع دیا. مولوی صاحب کو مولانا رشید احمد گنگوہی (ف ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) سے خاص تعلق خاطر تھا۔

میوات سے تعلق مولوی محمد اسمٰعیل کے زمانے میں میوات سے تعلق کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ وہ اس فکر میں تھے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا مل جائے کہ اس کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کر لی جائے اتفاق سے چند مسلمان آتے ہوئے دکھائی دیے ان سے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ مزدوری کرنے جا رہے ہیں. مولوی صاحب نے کہا کہ اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے تو جانے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے منظور کر لیا. مولوی صاحب ان کو مسجد میں لے آئے. نماز سکھانے قرآن پڑھانے لگے اور ان کو یومیہ مزدوری دینے لگے. جب ان کو نماز کی عادت پڑ گئی تو مزدوری چھوٹ گئی دراصل یہ بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد تھی اس کے بعد تو دس بارہ میواتی برابر مدرسے میں رہنے لگے ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش کے یہاں سے آتا تھا بستی نظام الدین اولیا کے بعض بڑے اور بچے بھی اس مدرسے میں پڑھتے تھے چنانچہ اسی زمانے خواجہ حسن نظامی دہلوی نے مولوی محمد اسمٰعیل سے اس مدرسے میں تعلیم پائی. اور اس تعلق کی وجہ سے خواجہ حسن نظامی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے گنگوہ گئے

مولوی محمد اسمٰعیل کے مدرسے کے متعلق مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں [1]

---

[1] ولی کامل (سوانح عمری مولانا محمد زکریا) از مفتی عزیز الرحمٰن (مدنی دار التالیف بجنور ۱۹۶۹ء) ص ۵۸ - ۵۸

"دس پندرہ طلبہ ہمیشہ پاس رہتے تھے جو عموماً میواتی ہوتے تھے آپ ان کو قرآن شریف اور ضروری مسائل کی تعلیم دے کر واپس بھیج دیتے تھے تاکہ وہ میوات میں جاکر دینی خدمات انجام دیں احسن المسائل اور ترجمہ شرح وقایہ منتہیانہ نصاب تھا۔ آپ کی کیمیا اثر صحبت کا یہ ثمرہ تھا کہ اس درس گاہ کے تعلیم یافتہ طلبہ زہد و عبادت، تقوی و دینداری، دین پہ مر مٹنے کا جذبہ اور دینی امور میں اتنی جامع ومانع اور مکمل واقفیت رکھتے تھے جو موجودہ دور کے اکثر علماء کے لئے قابل رشک ہے"

۴ شوال ۱۳۱۵ھ (۲۶ فروری ۱۸۹۸ء) کو مولوی محمد اسمٰعیل کا انتقال ہوا اور وہ بنگلہ والی مسجد کے ایک گوشہ میں دفن ہوئے [۱] مولوی محمد اسمٰعیل کی پہلی بیوی سے ان کے ایک صاحبزادے مولوی محمد تھے جنہوں نے اپنے باپ کے انتقال کے بعد بنگلہ والی مسجد میں قیام کیا اور مدرسے کو سنبھالے رکھا [۲]

مولوی محمد کاندھلوی | مولوی محمد صاحب کم گو، بے آزار، عزلت پسند، متوکل ذاکر، شاغل اور خوش اوقات بزرگ تھے۔ انہوں نے علم حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھا تھا اکثر وعظ بھی کہتے تھے مگر بیٹھ کر جیسے کوئی باتیں کرتا ہو وہ نہایت منکسر المزاج اور غربا پسند تھے۔

مولوی محمد صاحب کے زمانے میں بیس پچیس طلبہ رہتے تھے جو خود روٹی پکاتے

---

[۱] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۳۸

[۲] مولوی محمد اسمٰعیل کے حالات کے لئے دیکھئے۔ سفینۂ رحمانی از عبدالرحمٰن حسرت (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۴ء) ص ۱۰۶ - ۱۰۷ حالات مشائخ کاندھلہ از مولوی احتشام الحسن (دہلی ۱۳۸۳ھ) ص ۲۰۹ - ۲۱۷، مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۳۵ - ۳۹ ولی کامل ص ۵۷ - ۵۹

اور جنگل سے لکڑیاں لایا کرتے تھے مولوی صاحب بھی ان کاموں میں ان کی مدد کرتے تھے اگرچہ مولوی صاحب قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم دیتے تھے مگر تربیت ایسی کرتے تھے کہ طلبہ نہایت دین دار متقی اور پرہیزگار ہو جاتے تھے۔ اس مدرسے میں زیادہ تر میوات کے بچے پڑھتے تھے سید محمد ثانی لکھتے ہیں [1]

"ایک مدرسہ تھا جو ان کے والد محترم کا قائم کیا ہوا تھا جس میں زیادہ تر میواتی بچے پڑھتے تھے دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت و عقیدت رکھتے تھے اور دونوں جگہ آپ سے فیض تھا آپ کے ملنے والوں اور تعلق رکھنے والوں میں دین داری کا ایک خصوصی رنگ تھا اور عمومی خیرخواہی اور ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پایا جاتا تھا۔ اس کے باعث وہ دوسروں سے نمایاں نظر آتے تھے"

مولوی محمد صاحب کا قیام بستی نظام الدین اولیاء میں کم و بیش اکیس سال رہا۔ ۲۵، ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو مسجد نواب والی (محلہ قصاب پورہ دہلی) میں انتقال ہوا مگر بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد کی آغوش میں دفن ہوئے [2]

مولانا عبدالسبحان میواتی

مولوی محمد صاحب کے شاگردوں اور تربیت یافتہ حضرات میں سے دو ایسے شخص ہیں کہ جن کا ذکر ضروری ہے ان میں سے پہلا نام مولانا

---

[1] سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی از سید محمد ثانی (لکھنؤ ۱۹۶۷ء) ص ۶۴

[2] ولی کامل ص ۶۰

عبدالسبحان صاحب کا ہے یہ میواتی تھے ان کا حال مفتی عزیز الرحمان کی زبان قلم سے سنیئے۔

آپ (مولوی محمد صاحب) کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی لیکن آپ کو اس کا غم بھی نہ تھا اس لئے کہ اولاد سے بہتر اپنا جانشین چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور یہ شخصیت آپ کے شاگرد حضرت العلامہ مولانا عبدالسبحان صاحب میواتی کی تھی جو اخلاق و عادات زہد و اتقاء عجز و انکساری اور عزلت پسندی میں آپ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ مولانا موصوف کو بھی جو والہانہ تعلق اور محبت حضرت مولانا سے تھا اسی کا اثر تھا کہ انہوں نے نہ صرف حضرت مولانا محمد صاحب کے محامد و اخلاق اور عادات و اطوار کو اپنایا بلکہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ شکل و صورت تک میں بھی حضرت مولانا سے مشابہت تامہ پیدا ہو چکی تھی اور وہ زبان حال سے امیر خسرو کے ہم آہنگ تھے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری !

حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب تن تنہا تقریباً نصف صدی تک انتہائی توکل و قناعت کے ساتھ مدرسہ سبحانیہ میں تعلیمی اور تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے ۵ رشوال ۱۳۸۰ھ کو اس پیکر علم و عمل کا اس احاطہ میں سے جہاں سے کبھی ان کے شیخ حضرت مولانا محمد صاحب کا جنازہ اٹھا تھا ان کا جنازہ اٹھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ"!

ان کے نامور فرزند مولوی عبدالمنان صاحب ہیں جو عربی کے مشہور شاعر و ادیب ہیں۔

حاجی عبدالرحمٰن دوسرے بزرگ حاجی عبدالرحمٰن مرحوم ہیں ان کے متعلق مولانا ابوالحسن علی رقم طراز ہیں۔

"حاجی عبدالرحمٰن صاحب اٹاوڑ (میوات) کے ایک غیر مسلم بنیا گھرانے میں پیدا ہوئے بچپن میں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مولانا محمد صاحب کے ہاتھ پر اسلام لائے نظام الدین کے مدرسے میں مولانا صاحب سے قرآن اور دین کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت کی مولانا محمد صاحب کے زمانے میں ان کے معتمد خاص اور ان کے دست راست رہے مولانا محمد الیاس صاحب کے تمام دینی کاموں میں ان کے قدیم ترین رفیق و معاون تھے۔ مولانا ان کے متعلق نہایت بلند کلمات فرماتے تھے اور اپنی تحریک کا روح رواں سمجھتے تھے۔ آپ میوات کے حکیم و عارف تھے اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی دولتیں نصیب فرمائی تھیں۔ آپ کا اصلی ذوق غیر مسلموں میں تبلیغ تھا جس میں آپ کو ملکہ خاص تھا۔ ہزار سے اوپر آدمی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ سنگار میں نومسلموں کا ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس سے اولاد کی طرح تعلق تھا۔ میوات کے رسوم کی اصلاح آپ کا رنامہ تھا ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ میں انتقال فرمایا"

حاجی عبدالرحمٰن مرحوم کے متعلق سید محمد ثانی لکھتے ہیں [1]

"حاجی عبدالرحمٰن میواتی نومسلم جو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے زمانے میں مرکز میں مقیم تھے۔ مولانا محمد صاحب کے شاگرد خاص اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خاص معتمد اور رفیق کار تھے اور مولانا

[1] سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی

محمد یوسف صاحب بھی ان کا حد سے بڑھ کر لحاظ کرتے تھے ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ بروز دوشنبہ دہلی میں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال سے اہل مرکز پر مجموعی طور سے اور مولانا محمد یوسف صاحب پر خصوصی طور سے بڑا اثر ہوا اس کے دوسرے دن حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ العالی مرکز تشریف لے گئے اور آٹھ دن قیام فرمایا"

مولوی محمد صاحب کے انتقال کے بعد بنگلہ والی مسجد اور مدرسہ کا انتظام اور نگرانی مولانا محمد الیاس کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے اس کو مرکز بنا کر ایک تحریک کا آغاز کیا اور اس کے فیوض و برکات سے ایک عالم مستفید ہوا۔

باب ہشتم

مولانا محمد الیاس اور تحریک دعوت و تبلیغ

مولانا محمد الیاس صاحب ۱۳۰۳ھ میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے قرآن مجید کی تعلیم کا آغاز وہیں حافظ منگتو کے پاس ہوا پھر حفظ قرآن اپنے والد ماجد مولوی محمد اسمٰعیل کے پاس بستی نظام الدین میں کیا اس کے بعد فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد کے پاس دہلی میں اور حکیم محمد ابراہیم سے کاندھلہ میں پڑھیں۔ ان کے بڑے بھائی مولوی محمد یحییٰ (ف ۱۳۳۴ھ) نے باپ سے عرض کی کہ الیاس کی تعلیم باقاعدہ نہیں ہو رہی ہے میں ان کو گنگوہ لئے جاتا ہوں چنانچہ مولوی محمد الیاس ۱۳۱۴ھ یا ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ پہنچے۔

گنگوہ اس زمانے میں علماء و صلحاء کا مرکز تھا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی شخصیت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا چشمہ رواں تھا مولانا محمد الیاس گنگوہ میں آٹھ نو سال رہے مولانا محمد یحییٰ اپنے بھائی کی باحسن وجوہ تربیت فرماتے تھے جو کتابیں وہ پڑھ لیتے تھے وہ دوسرے طلبہ کو پڑھاتے تھے اس طرح استعداد اور قابلیت میں پختگی ہو جاتی تھی۔ تربیت کا انداز یہ تھا کہ جب مولانا رشید احمد گنگوہی کے فیض یافتہ علماء گنگوہ جاتے تو بعض اوقات مولانا محمد الیاس کے اسباق ختم ہو جاتے تھے اور ہدایت ہوتی تھی کہ ان علماء کی صحبت میں بیٹھو اور تربیت حاصل کرو۔

مولانا رشید احمد گنگوہی بالعموم طلبہ کو بیعت نہیں کرتے تھے مگر مولانا محمد الیاس کے غیر معمولی حالات کی وجہ سے ان کو بیعت کر لیا۔ درد سر اور سخت علالت کی وجہ سے درمیان میں تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو جاتا مگر پھر شروع ہو جاتا

۱۳۲۶ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے درس میں شرکت کے لئے دیوبند پہنچے ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی پھر کئی سال بعد اپنے بھائی مولوی محمد یحیٰ کے حدیث کے دورے میں شریک ہوئے اور مولانا گنگوہی کے انتقال کے بعد مولانا خلیل احمد انبیہٹوی سے تکمیل سلوک کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شوال ۱۳۲۸ھ میں مولانا محمد الیاس مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور) میں مدرس مقرر ہوتے اور ۱۳۳۲ھ میں مولانا محمد الیاس حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

جب ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ میں ان کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کا دہلی میں انتقال ہوگیا تو بعض مخلصین نے مولانا محمد الیاس سے اصرار کیا کہ بستی نظام الدین اولیاء (دہلی) میں قیام کریں اور اپنے والد اور بھائی کے مدرسے اور مسجد کو آباد رکھیں ان لوگوں نے مدرسے کی اعانت و خدمت کا وعدہ بھی کیا اور مصارف کے لئے کچھ امداد بھی مقرر کر دی۔ مولانا محمد الیاس نے مولانا خلیل احمد کی اجازت اور مشورے سے وہاں رہنا قبول کرلیا اور ایک سال کی رخصت مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور) سے لے لی۔ رخصت کی درخواست درج ذیل ہے

بحضرت مہتمم صاحب بعد سلام مسنون

آنکہ سانحۂ انتقال اخوی جناب مولانا مولوی محمد صاحب کی وجہ سے بندہ کو نظام الدین کے مدرسے کا انتظام و خبر گیری کے واسطے وہاں کچھ قیام کی ضرورت ہے چونکہ اکثر اہل شہر و محبان بندہ و خیر خواہان متقاضی ہیں کہ بالفعل بندہ وہاں اقامت کرے اور جو منافع واشاعت علوم حضرت والد صاحب اور برادر مرحوم کی سعی اور تعلیم سے ان کوردہ اور گنوار لوگوں میں اور علوم سے نہایت بعید

اور آشنا لوگوں میں ہوئی ہے اس کو دیکھ کر اپنے دل میں بھی حرص پیدا ہوتی ہے۔ کچھ دنوں وہاں قیام کر کے اس کے اجراء کا بندوبست کر سکوں اور اس دینی حصہ میں بھی کچھ حصہ لے لوں لہٰذا عارض ہوں کہ ایک سال کے لئے بندہ کی رخصت منظور فرمائی جائے۔

والسلام

بندہ محمد الیاس اختر عفی عنہ[1]

مولانا ایک سال کی رخصت لے کر بستی نظام الدین آ گئے مگر آتے ہی ایسے بیمار ہوئے کہ زیست کی امید جاتی رہی اور کاندھلہ پہنچے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ صحت یاب ہو کر دوبارہ بستی نظام الدین آ گئے وہی بنگلہ والی مسجد اور وہی حجرہ تھا درگاہ کے جنوب میں درگاہ سے متعلق لوگوں کی آبادی تھی کچھ میواتی اور کچھ غیر میواتی طالب علم تھے۔ مولانا نے نامساعد حالات اور سرمائے کی کمی کی پرواہ نہ کی توکل علی اللہ سارے کام انجام دیتے کبھی کبھی فاقوں کی نوبت بھی آتی مگر کیا مجال جو پائے استقامت لڑکھڑاتے بعض اوقات تو گوٹروں سے شکم پروری کی جاتی تھی، مولانا طلبہ کی ایسی تربیت فرماتے تھے کہ ان مشکلات اور فاقوں کے باوجود وہاں سے ہلنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

مولانا محمد الیاس طلبہ اور ان کے اسباق کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے نہایت لگن اور محنت سے طلبہ کو چھوٹے بڑے اسباق خود پڑھاتے تھے وہ طریق تعلیم اور درسی کتابوں میں اپنا مخصوص طرز اور ذاتی رائے رکھتے تھے، مطالعہ اور سبق کی تیاری پر بے حد زور دیتے تھے۔ عبارت کی صحت، تلفظ اور صرف و نحو کے قواعد کی طرف بہت خیال رہتا تھا حدیث کا درس نہایت اہتمام و احتیاط سے ہوتا

---

[1] مولانا کا تاریخی نام "الیاس اختر" ہے

تھا۔مگر درس وتدریس سے زیادہ مولانا محمد الیاس کا کارنامہ تبلیغ و دعوت کی تحریک کا آغاز ہے جسے جاری کر کے ملت اسلامیہ کو اس کا فرض یاد دلا دیا اور اس تحریک کا آغاز میوات سے ہوا۔

میوات کے لوگ مولانا کے والد مولوی محمد اسماعیل اور بھائی مولوی محمد صاحب سے بہت ارادت وعقیدت رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اس تعلق کو مولانا کے ساتھ بھی برقرار رکھا۔ وہ مولانا کو اپنے علاقے میں لے گئے۔مولانا محمد الیاس نے بھی ان لوگوں سے تعلق اور خلوص کا اظہار کیا۔ان کے معاملات ومقدمات کو سلجھایا اور ان کو اسلام کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔مولانا کو پہلے یہ خیال ہوا کہ میوات میں مکاتب ومدارس قائم کر کے نئی نسل کو دین سے آشنا کیا جائے اگرچہ شروع شروع میں مکاتب کے قیام میں بڑی دشواری ہوئی کیونکہ میواتی اپنے بچوں کو کاشت کاری اور گلہ بانی کے کاموں سے ہٹا کر اس مشغلہ میں لگانا نہیں چاہتے تھے مگر بالآخر یہ سلسلہ چل پڑا اور تھوڑی سی مدت میں میوات میں تقریبا سو مکتب قائم ہو گئے۔ان کے مصارف مولانا محمد الیاس کے ذریعے پورے ہوتے تھے۔

مکاتب کے قیام سے میوات میں تعلیم واصلاح کا آغاز ہوا مگر مولانا اس سے مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ ماحول کی بے دینی، ملک کی عمومی جہالت اور رسم ورواج کی پابندی ذظلمت کا اثر مکاتب پر بھی ہے اور جو طلبہ فارغ ہو کر ان مکاتب سے نکلتے ہیں وہ اپنے ماحول میں واپس جا کر پھر اس رنگ میں رنگ جاتے ہیں لہذا نہ تو صرف بچوں کی تعلیم سے کوئی دینی انقلاب آ سکتا ہے اور نہ خواص اور عمائد کی اصلاح سے کوئی نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے بلکہ اس مقصد کے لئے ایک دینی تحریک کی ضرورت ہے [۱]

---

[۱] یہ حالات زیادہ تر حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت سے ماخوذ ہیں

چونکہ مولانا محمد الیاس سے میوات کے لوگوں کو گہرا تعلق تھا اس لئے مولانا کی صدارت میں ۲، اگست ۱۹۳۴ء کو قصبہ نوح میں ایک پنچایت کی گئی جس میں میوات کے علاقے کے چودھری، میاں جی، ذیل دار، انعام دار، نمبردار، صوبیدار، منشی، سفید پوش اور دیگر سربرآوردہ لوگ جمع ہوئے جن کی تعداد تقریباً ایک سو سات تھی۔ اس پنچایت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی اور پھر عہد کیا گیا کہ اسلام کے ارکان کی پوری طور سے پابندی کی جائے۔ دین کی اشاعت و دعوت کا کام اجتماعی طور سے کیا جائے اور اس کام کے لئے پنچایتیں کی جائیں۔ اور مندرجہ ذیل امور کی پابندی کا عہد کیا گیا۔

۱ کلمہ کا صحیح یاد کرنا

۲ نماز کی پابندی

۳ تعلیم حاصل کرنا اور اس کی اشاعت

۴ اسلامی شکل وصورت

۵ اسلامی رسوم کا اختیار کرنا اور رسوم شرکیہ کا مٹانا

۶ عورتوں میں پردہ کی پابندی

۷ اسلامی طریقے سے نکاح کرنا

۸ عورتوں میں اسلامی لباس کا رواج

۹ اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا

۱۰ باہمی حقوق کی نگہداشت وحفاظت

۱۱ ہر جلسے اور اجتماع میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا

۱۲ دینی تعلیم کے بغیر بچوں کو دینوی تعلیم نہ دینا

۱۳ دین کی تبلیغ کے لئے محنت اور کوشش کرنا

۱۴ پاکی کا خیال رکھنا

۱۵ ایک دوسرے کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا

ان امور کے علاوہ اس پنچایت میں یہ طے کیا گیا کہ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کا فریضہ ہے اور ہم سب اس کو انجام دیں یہ ساری طے شدہ باتیں لکھی گئیں۔ پنچایت نامہ مرتب کیا گیا اور اس پر شرکاء کے دستخط ہوئے۔[۱] دراصل اس پنچایت سے تبلیغی جماعت کا باقاعدہ آغاز ہوا اور مندرجہ ذیل طریقہ کار وضع کیا گیا۔

(۱) اس دینی تحریک میں دین سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقہ کار ضروری قرار دیا گیا ملت کے سارے طبقوں میں دینی دعوت کو عام کیا جائے اور سارے طبقوں کو اس کا حامل اور داعی بنانے کی کوشش کی جائے

(۲) دین کے لیے عملی جد و جہد کرنا، نقل و حرکت اور سعی و عمل کو فروغ دیا جائے

(۳) دین کے تعلیم و تعلم اور خدمات و اشاعت کو مسلمانوں کی زندگی کا جز و قرار دیا گیا۔

(۴) دین کے لیے عارضی ترک وطن کو لازمی قرار دیا گیا یعنی ہر مسلمان دین سیکھنے اور سکھانے کے لیے اپنے مشاغل اور ماحول کو چند دن کے لیے چھوڑ کر دوسری جگہ جائے اور بہتر ماحول میں یکسوئی سے دین سیکھے

اس کے لیے چھ مندرجہ ذیل اصول ضروری قرار دیے گئے

۱ کلمہ کی تصحیح

۲ نماز کی تصحیح

۳ علم اور ذکر کی تحصیل

---

[۱] سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۴۱

۴ اکرام مسلم

۵ تصحیح نیت

۶ تفریغ وقت یعنی وقت فارغ کرنا

اس طریقہ کار اور اصولوں کے ساتھ حسب ذیل مطالبے رکھے گئے۔

۱۔ ہر مہینے کچھ وقت میں اپنے ماحول میں ضروریات دین (کلمہ و نماز) کی تبلیغ کی جائے اور باقاعدہ جماعت بنا کر ایک نظام کے تحت قرب و جوار میں گشت کیا جائے۔

۲۔ میواتی ہر مہینے میں تین دن کے لئے پانچ کوس کے حدود کے اندر دیہات میں جائیں اور شہری لوگ شہروں اور قریب کی آبادیوں میں جاکر تبلیغ کریں اس سلسلے میں گشت و اجتماع کیا جائے اور دوسروں کو نکلنے پر آمادہ کیا جائے۔

۳۔ کم سے کم چار مہینے (دو چلے) دین سیکھنے کی غرض سے اپنے گھر اور وطن سے نکلیں اور ان مراکز میں جائیں جہاں دین اور علم زیادہ ہے

اس دعوتی سفر اور نقل و حرکت کے دنوں کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا جائے جس کے تحت جماعتیں کام کریں ایک وقت میں گشت ایک وقت میں اجتماع اور ایک وقت میں ضروریات کا پورا کرنا ہو اور یہ تمام کام ترتیب و تنظیم کے ساتھ ہونے چاہیں۔ اس طرح تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ اور ایک اخلاقی و دینی تربیت گاہ بن جاتی ہے [1]

تبلیغ کے لئے کم سے کم دس آدمیوں کی جماعت نکلے سب سے پہلے اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنالے پھر سب مسجد میں جمع ہوں اگر وقت ہو تو وضو

---

[1] سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۴۲ ۔ ۱۴۳

کرکے دو رکعت نماز نفل ادا کر لی جائے (لیکن اس کا التزام نہ کیا جائے) سب ملکر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں۔ نصرت و کامیابی، تائید خداوندی اور توفیق الٰہی کے طلب گار ہوں اور اپنے ثبات و استقلال کے لئے دعا مانگیں۔ دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں۔ فضول باتیں نہ کریں جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور سارے محلے یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں۔ اول ان کو نماز پڑھوائیں اور پھر ان امور کی پابندی کا عہد لیں اور اس طریق کار پر کاربند کرنے کے لئے آمادہ کریں۔

جو لوگ اس کام کرنے کے لئے تیار ہوں ان کی ایک جماعت بنا دی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرایا جائے، اور پھر ان کے کام کی نگرانی کی جائے۔ ہر تبلیغ کرنے والے کو اپنے امیر کی اطاعت کرنی چاہیئے اور امیر کو چاہیئے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گزاری، راحت رسانی، ہمت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے اور قابل مشورہ باتوں میں سب سے مشورہ لے کر اس کے موافق عمل کرے[1]

(۱) کھانے پینے اور کرائے وغیرہ کا خرچ خود برداشت کرے۔ اگر گنجائش اور وسعت ہو تو اپنے نادار ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

(۲) اس مقدس کام کرنے والوں اور ساتھیوں کی خدمت گزاری و ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اور ان کے ادب و احترام میں کمی نہ کریں

(۳) عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکسار کا برتاؤ رکھے بات کرنے میں نرم لہجہ اور تواضع کا پہلو اختیار کرے کسی مسلمان کو

---

[1] پیام عمل از مولوی احتشام الحسن (دہلی ۱۳۶۴ھ) ص ۱۶

حقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھے بالخصوص علمائے دین کی عزت اور عظمت میں کوتاہی نہ کرے۔ علمائے حق کی توہین دین کی توہین کے مترادف ہے جو خدا کے غیظ و غضب کا موجب ہے۔

(۴) فرصت کے خالی وقت کو جھوٹ، غیبت، لڑائی، فساد، کھیل تماشے کی بجائے مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابند لوگوں کے پاس بیٹھنے میں گزارے جس سے خدا اور رسول کی باتیں معلوم ہوں۔
ایام تبلیغ میں اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کرے
ا۔ تعلیم جو معلم جماعت کی زیر نگرانی ہو۔
ب۔ ذکر، تلاوت قرآن اور دیگر اوراد میں مشغول ہو
ج۔ دوسروں کو اس کام کی ترغیب دینا اور اس کام کا مقصد سمجھانا، جو امیر جماعت کی اجازت سے اس کی ہدایت کے موافق ہو۔

(۵) جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کفایت شعاری کیساتھ اس کو خرچ کرے۔ اپنے اہل و عیال اور دیگر اقرباء کے شرعی حقوق ادا کرے۔

(۶) کسی نزاعی مسئلے اور فروعی بات کو نہ چھیڑے بلکہ صرف اصول ایمان کی طرف دعوت دے اور ارکان اسلام کی تبلیغ کرے

(۷) اپنے افعال و اقوال کو خلوص نیت کے ساتھ مزین اور آراستہ کرے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجب خیر و برکت اور باعث ثمرات حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں کوئی ثمرہ ملتا ہے اور نہ آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے [۱]

---

[۱] پیام عمل از مولوی احتشام الحسن دہلی ۱۳۶۴ھ ص ۱۷

ایک موقع پر مولانا الیاس نے فرمایا[۱] کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کرنا ہے۔ قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت اس کا ابتدائی ذریعہ ہیں اسی طرح کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے نصاب کی الف ب ت ہے۔ ہمارے کارکن ہر جگہ پہنچ کر اپنی جد و جہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے مقامی اہل دین سے وابستہ کر دیں اور وہاں کے علماء و صلحاء کو عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔

اس سلسلے میں مولانا نے ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف کارکنوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ[۲]

"ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ و فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے جو اشتعال انگیز اور فتنہ خیز ہوں بلکہ اس قسم کے مبہم الفاظ لکھنے چاہیئے جس سے کسی خاص فرقے یا جماعت پر طعن نہ ہو بہر کیف تحریر و تقریر میں نہ ایسے الفاظ نکلیں جن سے اندیشہ و خطرہ ہو فساد کا، اور نہ ایسے خیالات کا اظہار ہو جن سے بدگمانی اور بدظنی بڑھے سارے مسلمان اپنے ہی بھائی ہیں جب نرمی اور طریقے سے لایا جائے گا تو خود ہی حق پر آ جائیں گے"

مولانا نے تعلیم و تذکیر پر بڑا زور دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں[۳]

---

[۱] ملفوظات مولانا محمد الیاس مرتبہ محمد منظور نعمانی (لکھنؤ ۱۹۶۹ء) ص ۱۳۱

[۲] مکاتیب مولانا محمد الیاس مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی (دہلی ۱۹۶۵ء) ص ۱۴۲ - ۱۴۳

[۳] ملفوظات ص ۱۱۰

" ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہیئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے لہذا نکلنے کے زمانے میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے۔ علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے۔

تربیت و تذکیر کے لیے ایک مختصر سا نصاب بھی مرتب کیا گیا جس میں شروع میں پانچ کتابیں (۱) جزاءُ الاعمال (۲) راہ نجات (۳) فضائل نماز (۴) حکایات صحابہ (۵) چہل حدیث (مرتبہ مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث) شامل تھیں بعد میں فضائل قرآن، فضائل ذکر اور رسائل تبلیغ کا بھی اضافہ کر دیا گیا [۱]

ان کتابوں کے علاوہ برکات ذکر، فضائل تبلیغ، حیوٰۃ المسلمین، تعلیم الاسلام (مرتبہ مفتی کفایت اللہ دہلوی) اور علم الفقہ (مرتبہ مولانا عبدالشکور لکھنوی) کی بھی سفارش کی گئی۔ اس طرح سیرت نبوی اور صحابہ کرام کے حالات پر بھی کتابیں پڑھی جائیں اور اس بارے میں "حکایات صحابہ" کی نشاندہی کی گئی [۲]

تبلیغی جماعت کے نظم و ضبط اور طریق کار کے سلسلے میں یہ چند اشارات ہیں۔ اس تحریک نے عوام و خواص میں ایک حرکت پیدا کر دی ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں مولانا خلیل احمد صاحب بھی میوات گئے اور فیروزپور نمک میں قیام کیا اسی سال ۱۳۴۴ھ میں مولانا محمد الیاس دوبارہ حج کے لیے مولانا خلیل احمد صاحب کی معیت میں گئے اور ۱۳۴۵ھ میں حج سے واپس آئے حج سے واپسی کے بعد مولانا نے عمومی دعوت کے

---

[۱] مکاتیب ص ۲۸، ۴۳، ۵۲، ۹۲

[۲] نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش از محمد منظور نعمانی (بریلی ۱۳۶۳ھ) ص ۳۳

کام کا پروگرام بنایا تبلیغی گشت شروع کر دئے اور جماعتیں بنا کر مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجنی شروع کر دیں۔ جمعہ کے دن بعض مقامات پر خود بھی پہنچے۔ اس طرح عرصے تک میوات میں کام ہوتا رہا۔

۱۳۵۱ھ میں مولانا محمد الیاس تیسری مرتبہ حج کے لیے گئے اور ۱۳۵۲ھ میں حج سے واپس آنے کے بعد اس کام کو تیز تر کر دیا۔ مولانا نے بڑی جماعت کے ساتھ میوات کے دورے کیے اور پھر اس علاقے کے لوگوں کی جماعتوں کو یوپی کے شہروں اور قصبوں کاندھلا اور رائے پور وغیرہ بھیجنے کی کوشش کی تاکہ یہاں کے لوگ وہاں کے لوگوں کے طور طریق دیکھیں وہاں کے بزرگوں کو بھی ان لوگوں سے تعلق پیدا ہوا اور اس تجربہ کا اچھا اثر ہوا۔

مولانا محمد الیاس نے میوات کی تحصیلوں کے نقشے اور پورے ضلع گڑگانوا کا نقشہ تیار کرایا۔ سمتیں اور خطوط مقرر کیے، مبلّغین کو کارگزاری لکھنے کی ہدایت کی، گاؤں کی آبادی، فاصلہ اور نمبرداروں کے نام لکھنے کا ڈول ڈالا اور اس طرح تبلیغ کا ایک باقاعدہ نظام قائم کر دیا لوگوں میں دین کے لیے کام کرنے کی ایک تڑپ پیدا ہو گئی اور سارا ماحول ہی بدل گیا۔ اس ماحول کی منظر کشی مولانا ابوالحسن علی ندوی کے زبان قلم سے سنیے [1]

"ہم جامع مسجد (گڑگانوا) میں داخل ہوئے تو وہ منظر دیکھا جس کو کبھی بھول نہیں سکتے اور جس کی لذت اس وقت بھی اپنے دلوں میں پاتے ہیں ہمارے سامنے تیس آدمیوں کی ایک جماعت حلقہ باندھے ہوئے بیٹھی تھی۔ جن میں ہر عمر کے آدمی تھے تیرہ اور سولہ سال کے دو لڑکے بھی تھے۔ جوان بھی تھے اور ساٹھ سالہ بوڑھے بھی تھے۔

---

[1] ایک اہم دینی دعوت ص ۹۲

ہر ایک کے بدن پر ایک ایک چادر ایک ایک کرتہ' ایک سوتی کمبل' سر پہ پگڑی' ان کو اپنے گاؤں سے نکلے آٹھواں دن تھا. جتنا جس سے ہو سکا اس نے اپنے ساتھ راستے میں کھانے پینے کا سامان کر لیا اور کچھ گھر والوں کے لئے چھوڑا انیس آدمیوں کی جماعت تین گروہوں پر تقسیم ہو گئی اور مختلف قافلوں سے یہ تبلیغی قافلے گڑگانوا روانہ ہوئے ہر دس آدمیوں کی جماعت پر ایک ایک امیر مقرر تھا اور ایک معلم .... (ایک) رفیق نے مبلغین کی اس جماعت کے سامنے مختصر سی تقریر کی اور مؤثر لہجے میں کہا کہ بھائیو! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تم کو اس مبارک کام کے لئے نکلنے کی اس نے توفیق دی. تبلیغ کا راستہ انبیاء علیہم السلام راستہ ہے اللہ کی رحمت کے دروازے تم پر کھل گئے ہیں. تبلیغ عام کی سنت مردہ ہو چکی تھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ تمہارے ہاتھوں اس کو زندہ کر رہا ہے"

اسی قسم کے ایک جلسے کی کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں لہ

"یہ جلسہ جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا جس میں عبادت و ذکر' نمازوں کی پابندی اور ذوق نوافل کے ساتھ چستی و مستعدی' جفاکشی و مجاہدہ' سادگی و بے تکلفی' تواضع و خدمت اہل علم و دین کی توقیر اور اسلامی اخلاق کے مؤثر مناظر دیکھنے میں آتے تھے"

جماعتوں کے باہر نکلنے سے بڑے مفید اثرات مرتب ہوئے ۱۳۵۶ھ میں مولانا چوتھے حج کے لئے گئے اور تبلیغ و دعوت کے نظام کو مرکز اسلام میں

متعارف کرایا اور حج سے واپس آکر مولانا نے میوات میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں اور بڑھا دیں۔

مولانا محمد الیاس نے اہل علم، ارباب درس وتدریس اور علماء کو اس طرف متوجہ کیا اور دینی مرکزوں کو اس طرف توجہ دلائی۔ شروع شروع میں لوگوں نے بے اعتنائی کی مگر جب انہوں نے اس دعوت وتبلیغ کے برکات وثمرات دیکھے تو متوجہ ہوئے اور خود مولانا نے مدرسہ مظاہرالعلوم کے اساتذہ کے ساتھ نواح کے دیہات وقصبات میں دورے کئے۔ یہاں تک کہ دہلی اور باہر کے لوگوں کو مولانا کے کام سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ دہلی کے پنجابی سوداگران نے خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی دیگر اہل الرائے حضرات نے بھی توجہ کی یہاں تک کہ دور کے شہر وقصبات خورجہ، علی گڑھ، آگرہ، بلند شہر، میرٹھ، مرادآباد، لکھنو اور کراچی تک جماعتیں جانے لگیں۔ نہ صرف میوات میں اصلاح کا کام باحسن وجوہ انجام پانے لگا بلکہ برصغیر پاک وہند اس کے برکات وفیوض سے مستفید ہونے لگا

مولانا محمد الیاس نے دعوت وتبلیغ کا کام نہایت توجہ، دل سوزی، لگن اور ایثار کے ساتھ انجام دیا بلکہ ان کی زندگی اس کام کے لئے وقف تھی مولانا منظور نعمانی مولانا کی علالت و بیماری کی حالت بیان کرتے ہیں۔ [1]

"نماز وغیرہ کے لئے دو خادم آپ کو بستر سے اٹھاتے اور وہی بستر پر لٹاتے لیکن بعض اوقات آپ خود بیٹھ بھی نہ سکتے لیکن اس حالت میں بھی سنن و نوافل تو بیٹھ کر پڑھتے مگر فرض نماز جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر ہی ادا فرماتے حالانکہ نماز ختم کر چکنے کے بعد خود اٹھنے کے قابل نہ ہوتے اور خادم ہی کمر اور بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر اٹھاتے اور

---

[1] الفرقان لکھنو۔ جمادین ۱۳۶۳ھ ۱۳

حجرے میں لے جاکر لٹا دیتے لیکن دعوت الی اللہ اور سعی و تبلیغ و اصلاح کا آپ کو جو جنون نما "سودا ہے اس کا جوش و ولولہ اس نازک حالت میں ہمیشہ سے زیادہ دیکھا۔ تنہا ہیں اور خاموش لیٹے ہیں تو اسی کے سوچ وچار میں ہیں اور اگر کوئی پاس بیٹھا ہے تو دل کے پورے درد اور سینے کی پوری قوت کے ساتھ اس سلسلے میں اس سے مصروف خطاب ہیں"

اور پھر جب ان کو علالت اور بیماری کا احساس دلا کر اس سے باز رکھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں [1]

"دعوت الی اللہ دین کی عمومی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و اصلاح کے جن نبوی طریق کے زندہ کرنے اور رواج دینے میں لگا ہوا ہوں۔ زندگی کے خطرے کی وجہ سے اس کے کاموں کو نہ کرنا میں کسی حال میں اپنے لیے جائز نہیں سمجھتا۔ کیونکہ نماز میں قیام کی فرضیت کا علم واحساس تو امت میں عام طور سے الحمد اللہ باقی ہے لیکن دعوت الی اللہ اور تبلیغ و اصلاح کی کوشش کے فریضہ کو عام طور سے بھلا دیا گیا ہے حالانکہ یہ وہ فریضہ ہے کہ دین کے باقی تمام فرائض اور شعائر کا قیام و بقا اسی پہ موقوف ہے اس لیے اس بارے میں میں اپنے لیے کوئی رخصت نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر ایک معتدبہ تعداد اس فریضہ کی واقعی اہمیت کا احساس کماحقہ کرنے لگے تو پھر میرے لیے بھی اس میں رخصت ہو جائے گی۔ لیکن جب تک ایسی ایک جماعت پیدا ہو نہیں جاتی جو اس کام کی اہمیت کا پورا احساس اور اندازہ

---

[1] الفرقان لکھنؤ۔ جمادین ۱۳۶۳ھ ص ۱۴-۱۵

کر کے اس کے تقاضے کے لیے تیار ہو۔ اس وقت تک میرے لئے جائز نہیں ہے کہ بخوف جان میں اس کام کو چھوڑ دوں یا ملتوی کر دوں"

مولانا محمد الیاس کا ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) بروز جمعرات صبح صادق کے وقت انتقال ہوا۔ اس داعی الی اللہ کے وصال پر مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں [۱]

"اللہ کا وہ مخلص بندہ جو بیسیوں برس سے اللہ کے راستہ کی طرف دل کے پورے درد کے ساتھ دنیا کو بلا رہا تھا۔ چیخ رہا تھا اور پکار رہا تھا بالخصوص اس آخری علالت میں گزشتہ چار پانچ مہینے سے توجبکہ ہڈیوں میں شاید مغز بھی نہیں رہا تھا۔ اس کی یہ دعوت اور چیخ پکار اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور آخری ایام میں تو اس کا سارا وجود درد و دعوت ہی بن کر رہ گیا تھا کل بتاریخ ۱۱ رجب بروز پنجشنبہ صبح صادق کے وقت اس دنیا سے رحلت کر کے اپنے اس مالک اور مولا کے پاس پہنچ گیا جس کی رضا کے راستے کی طرف دنیا بھر کو بلاتا تھا"

نعمانی صاحب ایک اور موقع پر لکھتے ہیں [۲]

"حضرت مولانا کے وصال سے بظاہر تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان یا ہزاروں عالموں اور بزرگوں میں سے ایک بزرگ عالم اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور یہ سب کچھ اس دنیا میں روز ہی ہوتا رہتا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں

---

[۱] الفرقان بریلی جمادی ۱۳۶۳ھ ص ۲ - ب

[۲] الفرقان بریلی شعبان ۱۳۶۳ھ ص ۳

جن کا اکیلا وجود لاکھوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور وہ پتھروں کی کان میں لعل اور ہیرا ہوتے ہیں بیشک حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی رجال عظام میں سے تھے اور ایسوں کی موت حیات روحانی دنیا میں بڑا تغیر اور انقلاب عظیم ہے ۔ آہ جنہوں نے نہیں جانا ان کو کس طرح بتایا جائے اور کیسے باور کرایا جائے کہ کتنی بڑی چیز کھو گئی "

انچہ از من گم شدہ گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن نگریستے

مولانا محمد الیاس کی دعوت کی کامیابی کے متعلق علامہ سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں [1]

"حضرت مولانا (محمد الیاس) نے نہایت خاموشی کے ساتھ صرف اپنے مخلصانہ سادہ طریق اور صحیح اصول دعوت کے ذریعہ پچیس برس کی انتھک محنت میں ان (میواتیوں) کو خالص و مخلص مسلمانوں کی صورت میں بدل دیا۔ جن کے ظاہر و باطن پر خاندانی مسلمانوں کو بھی رشک آتا ہے"

اس کی وضاحت مولانا ابو الحسن علی ندوی سے سنئے [2]

"چنانچہ میوات میں دینداری کے وہ اثرات ظاہر ہونے لگے جن میں سے ایک کے لئے اس سے پہلے اگر برسوں جدوجہد کی جاتی تو شاید کامیابی نہ ہوتی بلکہ اتنی ضد پیدا ہو جاتی۔ ملک میں دین کی رغبت پیدا ہوگئی اور

---

[1] یاد رفتگاں از علامہ سلیمان ندوی (مکتبۃ الشرق کراچی ۱۹۵۵ء) ص ۳۱۴ - ۳۱۵

[2] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۰۳ - ۱۰۴

اس کے آثار نظر آنے لگے۔ جس علاقے میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی
تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں۔ صدہا مکتب اور متعدد عربی
کے مدرسے قائم ہوگئے۔ حفاظ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے
فارغ التحصیل علماء کی بھی ایک خاص بڑی تعداد پیدا ہوئی 'ہندوانہ
وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی اور اسلامی وشرعی لباس کی
وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی۔ ہاتھوں سے کڑے اور کانوں سے مریاں
اترنے لگیں۔ بے کہے آدمیوں نے داڑھیاں رکھنی شروع کر دیں۔
شادیوں سے مشرکانہ اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ ہونے لگا سود
خوری کم ہوگئی۔ شراب نوشی تقریباً ختم ہوگئی۔ قتل وغارت گری
کی واردات میں بہت کمی ہوگئی۔ جرائم فسادات اور بداخلاقیوں
کا تناسب پہلے کے مقابلے میں بہت گھٹ گیا۔ بے دینی' بدعات' رسوم
اور فسق وفجور کی باتیں اور عادتیں موافق ہوا و فضا نہ پانے کی وجہ سے
خود بخود مضمحل ہونے لگیں"

ملا واحدی دہلوی لکھتے ہیں [1]

"ہاں ایک بے مثل مولوی اور رہتے مولوی محمد الیاس۔ مولوی صاحب
بستی حضرت نظام الدین کی گنبد والی مسجد میں رہتے تھے۔ انھوں نے
دیہاتوں میں جا جا کر نئے مسلمان بنانے کی بجائے مسلمانوں کو مسلمان
بنانے کا کام کیا اور دوسروں کو بھی اس خدمت کے لئے اکسایا۔ تبلیغی
جماعت کے نام سے آپ ناآشنا نہ ہوں گے۔ یہ مولوی الیاس ہی
کی جماعت ہے۔ اسے مسلمانوں کو اسلام سے باخبر کرنے کے سوا

---

[1] میرے زمانہ کی دلی از ملا واحدی (کراچی ۱۹۵۶ء) ص ۲۵۶

اور کسی قصے جھگڑے سے سروکار نہیں ہے بے لوث جماعت ہے
اس کے ممبروں کو نوکری سے یا کاروبار سے جتنا وقت ملتا ہے وہ
خدمت دین میں صرف کر دیتے ہیں"

ایک خط میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں [1]

"تبلیغی جماعت ... نے مفید خدمات انجام دی ہیں جن کی میں قدر
کرتا ہوں"

مولانا محمد الیاس کے انتقال کے بعد ان کے فرزند سعید مولانا محمد یوسف ان کے جانشین مقرر ہوئے اور انھوں نے جانشینی کا صحیح حق ادا کر دکھایا انہوں نے اس دعوت و تحریک کو برصغیر پاک و ہند کے حدود سے نکال کر عالم گیر کر دیا۔

---

[1] مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی مرتبہ عاصم نعمانی (ایوان ادب لاہور ۱۹۷۲ء) ص ۸۳

باب نہم

مولانا محمد یوسف اور تحریک کی وسعت

مولانا محمد یوسف مولانا محمد یوسف ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ (م ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء) کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز عقیقہ ہوا۔ اس زمانے میں مولانا محمد الیاس مدرسہ مظاہر العلوم (سہارن پور) میں مدرس تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ ان کی تربیت پر والدین نے خاص نظر رکھی۔ وہ عام طلبہ کے ساتھ ان کے مشاغل اور ذمہ داریوں میں برابر کے شریک رہتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے۔ اس طرح شروع ہی سے ان میں فرائض کی ذمہ داری، وقت کے قیمتی ہونے کا احساس اور تعلیم کا شوق پیدا ہوگیا اور صحابۂ کرام کے مقدس حالات اور خدا کی راہ میں ایثار و قربانی کے واقعات سے مولانا محمد یوسف کو گہری دلچسپی ہوگئی۔ فتوح الشام کا منظوم اردو ترجمہ صمصام الاسلام بچپن میں ذوق و شوق سے پڑھتے تھے اس کتاب میں صحابہ کرام کے جہاد اور فتوحات کا ذکر ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب نے تجوید قاری معین الدین سے سیکھی اور گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد مولانا محمد الیاس سے مدرسہ نظام الدین میں عربی کی تعلیم شروع کردی، میزان الصرف، منشعب، صرف میر، پنج گنج اور نحو میر کے پڑھنے کے بعد مولانا محمد الیاس نے ان کو قصیدہ بردہ اور قصیدہ بانت سعاد اور چہل حدیث (از شاہ ولی اللہ دہلوی) یاد کرائیں ان کتابوں میں سے اکثر حافظ منیر الدین نے پڑھائیں اور کنز الدقائق حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھی۔

اس کے بعد اوپر کی کتابیں مولانا محمد الیاس سے پڑھیں جب وہ حج کے لئے

چلے گئے تو مولانا محمد یوسف ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں داخل ہو گئے۔ اسی سال وہاں انہوں نے میبذی اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں مولانا محمد الیاس کے حج سے واپس آنے کے بعد پھر مولانا محمد یوسف بستی نظام الدین آ گئے بقیہ کتابیں مشکوٰۃ و جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں ۱۳۵۴ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر العلوم میں داخل ہوئے اور صحیح بخاری مولانا عبداللطیف سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد سے، سنن ابوداؤد مولانا زکریا سے اور جامع ترمذی مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوری (ف ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) سے پڑھیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا محمد یوسف کے ہم سبق رہے ہیں۔ ان کا بیان ہے [1]

> "ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پلا کر سو جائے گا اور دوسرے کے ذمے ہو گا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے ایک دن حضرت مولانا مرحوم (محمد یوسف) شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی"

مولانا محمد یوسف کی علالت کی وجہ سے انہیں نظام الدین آنا پڑا۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ہمراہ آئے اور صحاح اربعہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی) کا بقیہ حصہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں (ابن ماجہ و نسائی) شرح معانی الآثار طحاوی اور مستدرک حاکم، مولانا محمد الیاس سے ختم کیں۔

---

[1] الفرقان لکھنؤ مولانا محمد یوسف نمبر ستمبر ۱۹۶۵ء ص ۸۳-۸۴

۳۰ محرم ۱۳۵۴ھ کو مولانا محمد یوسف کا عقد مولانا محمد زکریا کی صاحبزادی سے ہوا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے نکاح پڑھایا[۱] اس کے بعد مولانا انعام الحسن کی معیت میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی تحریک پر اپنے والد مولانا محمد الیاس سے بیعت ہوئے۔

امارت ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء بروز چہار شنبہ جب مولانا محمد الیاس سفر آخرت کی تیاری میں تھے، مولانا محمد زکریا، مولانا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا ظفر احمد تھانوی کو ان کا یہ پیغام پہنچا کہ[۲]

"مجھے اپنے آدمیوں سے ان چند پر اعتبار ہے۔ آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرا دیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں (۱) حافظ مقبول حسین (۲) قاری داؤد صاحب (۳) مولوی احتشام الحسن صاحب (۴) مولوی محمد یوسف صاحب (۵) انعام الحسن صاحب (۶) مولوی رضا حسن صاحب"

ان حضرات نے آپس میں مشورہ کر کے مولانا مرحوم کی خدمت میں عرض کیا[۳]

مولوی محمد یوسف صاحب ما شاء اللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھی ہیں وہ سب بحمد اللہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں"

۱؎ ۲۹ ستمبر ۱۳۶۶ھ کو مولانا محمد یوسف کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ان سے ایک صاحبزادے مولوی محمد ہارون یادگار ہیں تین سال کے بعد مولانا محمد زکریا صاحب کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ مولانا محمد یوسف کا نکاح ہوا جو اس وقت حیات ہیں ان سے اولاد نہیں ہے۔

۲؎ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۹۲

۳؎ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۹۲

اس کے بعد مولانا نے اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا [1]

"مجھے منظور ہے اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اس میں خیر و برکت فرمائے گا پہلے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی۔ اب بہت اطمینان ہو گیا امید کہ میرے بعد انشاء اللہ کام چلے گا"

کام کی وسعت | مستقبل نے بتایا کہ جماعت کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ثابت ہوا تحریک کو یوماً فیوماً ترقی ہوئی اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور اس کے فیوض و برکات تمام عالم کو محیط ہو گئے۔ عرب، عراق، افغانستان، شام، افریقہ، یورپ، جاپان، ملایا، سیلون، برما غرض سارے عالم میں جماعتیں پہنچیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں [2]

"حضرت مولانا محمد الیاس کے وصال کے غالباً اسی مہینے بعد مراد آباد میں پہلا بڑا تبلیغی اجتماع ہوا (تقریر) کے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا۔ بہت ہی کم نام آئے۔ لوگوں کی یہ سرمہری دیکھ مولانا محمد یوسف کو جلال آگیا ایک دم اٹھ کر تشریف لائے اور میکروفون میرے ہاتھ سے لے کر فرمانا شروع کیا "آج تم بجنور، چاندپور اور رائے پور جیسے قریبی مقامات کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہو۔ ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے لیکن اس وقت اس کام کا عام رواج ہو چکا ہوگا۔ اس لئے ثواب گھٹ جائے گا" مولانا کی اس پر جلال دعوت پر چند نام اور آگئے۔ لیکن میرا نام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اس لئے مولانا کی شام و عراق اور

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۹۲

[2] ایضاً ص ۱۹۰

مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ میں محسوس کر رہا تھا
کہ جب لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ چاندپورا اور رام پور کے لئے تیار نہیں
ہو رہے ہیں اس حالت میں شام و عراق اور مصر جانے والی بات بہت
بے موقع ہے مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی وہ
بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی اور ان ممالک عربیہ میں غالباً
پہلی جماعت مراد آبادیوں ہی کی گئی "

مولانا محمد یوسف صاحب نے اس تحریک کو عزم و استقلال اور انہماک کے ساتھ آگے بڑھایا ان کے دل میں دین کا درد اور لگن تھی وہ اللہ پر اعتماد و یقین رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ معارف و حقائق کے فیضان سے مستفیض تھے اس لئے اس تحریک کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں [1]

" اپنی دعوت کے ساتھ ساتھ ان کا ایسا شغف و انہماک تھا جس کی
مثال صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی
بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے۔ کسی مادی
و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی، والہیت
اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آتی"

قصبہ آنولہ میں جماعت کا ورود | مولانا محمد یوسف کے زمانے میں تبلیغ و دعوت کی آواز قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، بستی بستی پھیل گئی ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے کہ ایک تبلیغی جماعت راقم الحروف کے مولد و منشاء قصبہ آنولہ (ضلع بریلی یو۔پی) پہنچی یہ جماعت چار پانچ حضرات پر مشتمل تھی۔ جن میں دو یا تین رکن میواتی بھی تھے

---

[1] الفرقان لکھنؤ ستمبر ۱۹۶۵ء

قصبہ آنولہ، بدایوں اور بریلی ہردو جگہ سے اٹھارہ انیس میل کے فاصلے پر واقع ہے بستی پر ان ہی شہروں کے علماء کا اثر ہے۔ قصبے میں خال خال ایسے حضرات ہیں جو ولی اللہی افکار و خیالات سے متاثر ہوں۔ مولوی حکیم عبدالغفور مرحوم (ف ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء) ان ہی حضرات میں تھے تبلیغی جماعت کا پہلا اجتماع حکیم صاحب کے محلہ (کھیڑہ) کی نہری مسجد میں ہوا۔ حکیم صاحب ہی نے جماعت کا تعارف کرایا۔ پھر جماعت کے ارکان نے تقاریر کیں اور اپنی تحریک کو متعارف کرایا۔ راقم الحروف اس مجلس میں موجود تھا قصبے سے جماعت کے چلے جانے کے بعد حکیم صاحب کی تحریک پر چند حضرات نے جماعت بناکر قصبے کے بعض محلوں میں گشت کیا۔ کلمہ و نماز سننے اور سنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ لوگوں نے اس کو پسند کیا مگر اکثر جگہ اس کو ناپسند کیا گیا لوگوں نے طعنہ و تشنیع اور مخالف پروپیگنڈا شروع کردیا کہ یہ لوگ ہم کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اور کلمہ پڑھاتے پھرتے ہیں۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ہمارے محلہ گنج کی مسجد خلیفہ والی میں ایک روز مغرب کی نماز کے بعد حکیم عبدالغفور صاحب مرحوم کی تحریک پر ہر شخص نے کلمہ و نماز کے سننے اور سنانے کا سلسلہ شروع کیا اس موقع پر محلہ کے کئی ایسے بزرگ موجود تھے کہ جن کی عمریں ستر سال سے متجاوز ہوں گی اور وہ نہ صرف پابندی سے باجماعت نماز ادا کرتے تھے بلکہ ان میں سے بعض تہجد گزار بھی تھے۔ ان لوگوں نے بھی کلمہ اور نماز سنائی مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں کی نماز اور کلمہ صحیح نہ تھا۔ میر محلہ حافظ علی بخش مرحوم (ف ۱۹۵۸ء) اس اجتماع میں موجود تھے اتفاق سے ان کی "التحیات" غلط نکلی۔ دو تین مرتبہ دہرا کر اس کی تصحیح کی اور برجستہ کہا۔

"بھئی حکیم صاحب میں آپ کا دل سے شکر گزار ہوں کہ اس تبلیغی جماعت

کی بدولت میری التحیات درست ہوگئی ورنہ میں تو ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتا رہا۔ یہ لوگ بہت اچھا کام کررہے ہیں۔ نماز اور کلمہ درست کرواتے ہیں۔ میں تو علماء و صوفیہ کی بڑی بڑی مجالس و محافل میں شریک ہوتا رہا مگر نماز کی تصحیح کا کہیں ذکر نہ ہوا۔ میری نماز جیسی تھی ویسی ہی رہی"

حافظ صاحب مرحوم کی شرکت اور اس تبصرہ نے کامیابی کا راستہ کھول دیا خلیفہ والی مسجد میں کئی مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مسجد کے مستقل نمازیوں کی نماز، درود، کلمہ اور دعائیں سب درست ہوگئیں۔

مولانا محمد یوسف نے حسب معمول تبلیغ کے کام کو ترقی دی اجتماعات کئے گئے دوروں کے پروگرام بنائے گئے علماء و مشائخ سے رابطہ و تعلق کو مضبوط تر کیا گیا مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث اور مولانا عبدالقادر رائے پوری نے مزید توجہ مبذول کرنی شروع کردی جب سے تحریک کو خاصا فائدہ ہوا اور دعوت کا کام دور دراز تک پھیلنے لگا۔ مولانا محمد یوسف صاحب پر ہمہ وقت دعوت و تبلیغ کی دھن سوار رہتی تھی۔ اور اس بات سے وہ کسی لمحے غافل نہیں ہوتے تھے مولانا اپنے مکتوب الیہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں [1]

"گرامی نامہ موصول ہوکر کاشف احوال ہوا۔ کرنل صاحب کی بھی تشریف آوری ہوئی، اور ایک مختصر جماعت ان کے ہمراہ بیکانیر گئی ہے حق تعالےٰ شاید مفید صورتیں پیدا فرمائے اور جانے والوں کو دین محمدی کی سرسبزی کے لئے جد و جہد کا ذوق نصیب فرمائے۔ محترم بزرگ جو چیز ہم سب

---

[1] مولانا محمد یوسف مرحوم کا یہ خط محمد حلیم الدین صاحب کے نام ہے جو ہمیں ان کے خویش پروفیسر محمد سلیم پرنسپل شاہ ولی اللہ کالج منصورہ سے دستیاب ہوا۔

افراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقصد بنا کر فرمائی گئی تھی۔
اور جس کے استقبال اور جس کے لئے جد وجہد پر فرائض دین کئے اور
حالات کے سر سبزی کا رخ اختیار کرنے کے اللہ رب العزت نے وعدے
فرمائے تھے وہ تو صرف تذکروں اور گفتگوؤں میں بھی نہیں آتی اور
اس کے برعکس ہر قسم کی مخلوق کے لئے جانوں کا کھپانا مقصد بن گیا اس
کے لئے ابھی نکلنے والوں کی مقدار نہایت ہی محدود ہے اس کے حقیقی
اہل اور استعداد حقیقی کی دولت سے جناب عالی جیسے احباب کو نوازا
ہے۔ اس کے لئے بہت ہی زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور تشریف
آوری کبھی ہو جائے تو زہے نصیب"

اور اس کام کی وسعت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانے میں ۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو لندن میں بھی گشت کا کام شروع ہو گیا۔

۱۹۴۷ء کا ہولناک دور تقسیم ہند (۱۵ اگست ۱۹۴۷ء) کے بعد تبلیغی جماعت نے جس استقلال، پامردی اور احتیاط سے اپنے کام کو جاری رکھا وہ قابل تحسین ہے جب ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور میواتی دہلی میں پناہ گزین ہوئے تو ان پناہ گزینوں میں جماعت نے خاصا کام کیا۔ افتخار فریدی مراد آبادی کا بیان ہے[1]

"حضرت مولانا محمد یوسف کا یہ حال تھا کہ وہ پناہ گزینوں میں دوڑتے رہتے
تھے ان کو اپنے تن بدن کا ہوش تک نہ تھا پیروں میں چھالے پڑ جاتے۔
پیدل سوار جیسے بن پڑتا پہنچتے اور در بدر پھرتے اور انکو جمع کر کے تقریریں
کرتے ان کی ہمت بندھاتے ہیں ایمان و توکل کا سبق دیتے اور اس پوری
مدت میں مولانا کو بھوک پیاس کا ذرا بھی ہوش نہ رہتا"

---

[1] سوانح مولانا محمد یوسف ص ۲۷۰-۲۷۱

اس طرح جب دہلی میں فسادات ہوئے تو جماعت نے نہایت بے جگری اور عزم واستقلال سے کام کیا چونکہ مرکز (نظام الدین اولیاء) میں پناہ گزینوں کا اجتماع تھا لہذا مرکز فسادیوں کی نظریں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا کئی بار انہوں نے حملے کی تیاری کی مگر اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ مامون ومحفوظ رکھا بعض اوقات تو حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ مخلصین تک نے مشورہ دیا کہ مرکز کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ منتقل ہو جانا چاہئے مگر مولانا کے پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی اور انہوں نے کسی صورت میں مرکز چھوڑنا گوارا نہ کیا اگرچہ مشکلات اور پریشانیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا تا آنکہ کئی مرتبہ خانہ تلاشی کی بھی نوبت آئی مگر ان کے گھر میں عزم واستقلال کے سوا نہ کوئی ہتھیار اور نہ کوئی اسلحہ ———— اس سے اہم بات مشرقی پنجاب میں کام کا آغاز تھا مشرقی پنجاب سے مسلمان اجڑ چکے تھے. مسجدیں اور خانقاہیں ویران ہو گئی تھیں کچھ مسلمان پہاڑوں میں چلے گئے تھے ان علاقوں میں مسلمانوں کا نام ونشان تک نہ تھا ان نامساعد حالات میں تبلیغی جماعتیں سکھوں اور ہندوؤں کے مراکز میں پہنچیں اور موت کے منہ میں جاکر انہوں نے معجزانہ کارنامے انجام دئے ایک واقعہ ملاحظہ ہو[1]

"خضر آباد میں پہلا پڑاؤ کیا سکھوں نے اس عجیب وغریب جماعت کو دیکھا حیرت میں پڑ گئے مسلمان صورتیں دیکھ کر غیظ وغضب میں آگئے دلوں کے زخم تازہ تھے. جس مسجد میں ہماری جماعت نے قیام کیا تھا اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور شور وہنگامہ کرنے لگے حملہ کی صورت پیدا ہو گئی تھی. اس تشویشناک صورت حال کو دیکھ کر خدا کے نحیف ونزار بندے اس وقت خدا پر یقین واعتماد کے پیکر بن گئے اور اپنی

---

[1] سوانح مولانا محمد یوسف ص ۲۹۵

شہادت کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگے۔ امیر جماعت نے خدا کا نام لے کر حملہ آوروں کو مخاطب کر کے تقریر کرنی شروع کر دی۔ جماعت کے بقیہ لوگ صلوٰۃ الحاجہ پڑھ کر ذکر و دعا میں مشغول ہو گئے خدا نے اپنے بے سرو سامان بندوں کی دعا کو سن لیا۔ امیر جماعت کی تقریر جو حقیقت میں درد و اثر میں ڈوبی ہوئی اور اخلاص وللہیت سے معمور تھی۔ سننے والوں کے دلوں میں گھر کرنے لگی۔ مقلب القلوب نے دلوں کو پلٹ دیا جو آنکھیں سرخ اور خونین تھیں دیکھتے دیکھتے آنسوؤں سے تر ہو گئیں بلند آوازیں خاموش ہو گئیں اٹھتے ہوئے ہاتھ گر گئے وہ لوگ جو مارو مارو کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ اپنی ان ہی زبانوں سے کہنے لگے یہ ملّا تو بہت اچھی باتیں کرتے ہیں۔ واقعی ہمارے اندر حیوانیت آگئی تھی۔ امیر جماعت نے آدھے گھنٹے تک بات کی۔ بات جب ختم ہوئی تو ایک لحیم وشحیم آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اعلان کیا کہ یہ لوگ دہلی سے آئے ہیں آپس میں امن و صلح کی دعوت دیتے ہیں۔ ظلم و عداوت اور انسان کشی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ ہر شخص انکی بات سنے اگر کوئی ان کو تکلیف دے گا تو میں سب سے پہلے ان کے ساتھ مرنے کو تیار رہوں "

سید محمد ثانی لکھتے ہیں [1]

"مولانا محمد یوسف صاحب نے یقین و اعتماد علی اللہ اور عزم و ہمت کا توشہ دے کر جماعتوں کو اس محشرستان میں بھیج دیا جنہوں نے بعد میں چھپے ہوئے مسلمانوں کو ہمت بندھائی، اور پہاڑوں کے دامنوں سے

---

[1] سوانح مولانا محمد یوسف ص ۲۹۹

مسلمان نکل کر آبادیوں میں آگئے دوسری طرف حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کے اہل تعلق علماء نے مشرقی پنجاب کے بعض علاقوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے جمانے کا کام کیا اور مدرسے قائم کئے' ان دونوں کاموں کی وجہ سے اس اجڑے ہوئے دیار میں مسلمانوں کی پھر سے تھوڑی بہت آبادکاری کا کام ہوا اور بیزاری اور دشمنی کی جو فضا قائم ہوچکی تھی' وہ جماعتوں کی چلت پھرت اور حضرت رائے پوری کے اہل تعلق کے ذکر و فکر اور مدرسوں کے قیام سے دور ہونے لگی"

اجتماعات اور دورے | مولانا محمد یوسف صاحب نے ہندوستان میں تمام اہم مقامات پر دورے کئے اور اجتماعات سے خطاب فرمایا تفصیل ملاحظہ ہو۔ رائے پور (فروری ۱۹۴۸ء) کرسی (اودھ) (مئی ۱۹۴۸ء) لکھنؤ (اگست ۱۹۴۸ء) نوح (ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ) مگرا ہاٹ (مارچ ۱۹۵۰ء) گڑھی دولت (ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ) بھرانہ (صفر ۱۳۷۱ھ) بھوپال (فروری ۱۹۵۲ء) کانپور (مئی ۱۹۵۲ء) مرادآباد (اپریل ۱۹۵۳ء) اجراڑہ (اپریل ۱۹۵۳ء) رائے پور (دوبارہ محرم ۱۳۷۳ھ) مظفر نگر کا دورہ (نومبر ۱۹۵۳ء) پتھر گڑھ (مارچ ۱۹۵۴ء) سہارنپور (جون ۱۹۵۴ء) (دوبارہ۔ نومبر ۱۹۵۴ء) ڈاسنا (جنوری ۱۹۵۶ء) علی گڑھ (دوبارہ ۱۹۵۶ء) لکھنؤ و کانپور (مئی ۱۹۵۶ء) مدراس کا دورہ (جنوری ۱۹۵۸ء) بستی (مئی ۱۹۵۸ء) آگرہ (جولائی ۱۹۵۸ء) ستیاپور (دسمبر ۱۹۵۸ء) مگراہاٹ (دوبارہ اپریل ۱۹۵۹ء) سیکری (دسمبر ۱۹۵۹ء) لکھنؤ (فروری ۱۹۶۰ء) مظفر نگر و جھنجھانہ (جولائی ۱۹۶۰ء) بڑوت (دسمبر ۱۹۶۰ء) ڈاسنا (دوبارہ جنوری ۱۹۶۱ء) گنگوہ (جنوری ۱۹۶۲ء) چھاپی (فروری ۱۹۶۲ء) بستی (مئی ۱۹۶۲ء) میرٹھ (جون ۱۹۶۲ء) جھنجھانہ (جون ۱۹۶۲ء)

مالی گاؤں (اکتوبر ۱۹۶۲ء) جنوبی ہند (مئی ۱۹۶۳ء) نہٹور (نومبر ۱۹۶۳ء) پنڈو (فروری ۱۹۶۴ء) مراد نگر و بھٹ (ستمبر ۱۹۶۴ء) کاوی (گجرات) (نومبر ۱۹۶۴ء) مرادآباد کا آخری اجتماع (نومبر ۱۹۶۴ء) سہارنپور (دسمبر ۱۹۶۴ء)

اس طرح مولانا محمد یوسف صاحب نے پاکستان میں بھی مسلسل دورے کئے اور اس علاقے میں بھی تبلیغ کا خوب کام ہوا اس کی تفصیل ہم آئندہ مستقل باب میں بیان کریں گے۔

حجاز مولانا محمد یوسف نے حجاز میں تبلیغی کام کا اجراء کیا چونکہ حجاز ساری دنیا کے مسلمانوں کا مرکز ہے اور وہاں سارے عالم کے نمائندہ مسلمانوں کا حج کے موقع پر سالانہ اجتماع ہوتا ہے لہذ مولانا نے طے کیا کہ حجاز میں تبلیغ کا کام مضبوط اور مستقل بنیاد پر ہونا چاہیے تاکہ اس مقدس سرزمین کو مرکز بنا کر ساری دنیا میں گشت اور دورے کئے جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حجاج میں تبلیغ و دعوت کا کام مولانا محمد یوسف کے اولیات میں سے ہے انہوں نے اپنی تقریروں اور خطوط کے ذریعے اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی اور اس کا خاطرخواہ نتیجہ نکلا اس سلسلے میں مولانا نے باقاعدہ ایک نظام مرتب کیا۔

۱۔ بڑے بڑے اسٹیشنوں اور جنکشنوں پر جہاں حجاج جمع ہوتے ہیں تبلیغی کام کیا جائے۔

۲۔ بندرگاہوں اور ساحلوں پر جماعتوں کا گشت ہو۔

۳۔ جہازوں پر تعلیم و مذاکرہ ہونا چاہیے۔

حجاز میں کام کرنے کے لئے جو سب سے پہلی جماعت روانہ ہوئی اس میں مرادآباد اور دہلی کے حضرات تھے جن میں حاجی فضل عظیم مرادآبادی اور حافظ مقبول حسن خاص طور سے قابل ذکر ہیں پھر ۱۹۴۶ء میں ایک اور جماعت

روانہ ہوئی اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور نواح میں گشت شروع ہو گئے۔ برصغیر کے دوسرے لوگ بھی جو حج کو جاتے ہیں وہ بھی اس کام میں حصہ لینے لگے۔ حجاز کے ہر طبقے کے لوگوں علماء، تجار، ادباء اور بدوؤں میں بھی کام کا تعارف کرایا اس سلسلے میں بعض خاص قسم کی دشواریاں بھی پیش آئیں جو آہستہ آہستہ دور ہوتی گئیں۔ اس کام کے لئے عربی زبان پر قدرت رکھنے والوں کی خاص طور سے ضرورت تھی، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے خوب کام کیا۔ ان کی وجہ سے حجاز میں بہت کامیابی حاصل ہوئی علماء کا حلقہ خاص طور سے متعارف و متاثر ہوا ۱۹۴۹ء میں مولانا محمد منظور نعمانی اور علامہ سلیمان ندوی حج کے لئے تشریف لے گئے تو ان بزرگوں نے مختلف اجتماعات میں تقریریں کر کے تبلیغی کام کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اس طرح مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) کے ارباب اہتمام نے بھی تبلیغی جماعتوں سے تعاون کر کے کام کو بڑھانے اور وسعت دینے میں خاصی مدد کی محمد ثانی لکھتے ہیں

"اس زمانے میں حجاج کے جتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور مختلف ممالک کے علماء و مشائخ عوام و خواص سے جتنی تبلیغی گفتگوئیں ہوئیں اور ان اجتماعات و مجالس سے جتنی زیادہ تعداد میں جماعتیں نکلیں اور تبلیغی کام کا تعارف ہوا اس کی مثال نہیں ملتی درحقیقت مولانا محمد یوسف صاحب کے اس آخری قیام کا زمانہ تبلیغی کام کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا"

دیگر عرب ممالک | جب حجاز میں دعوت کے مفید نتائج مرتب ہوئے تو دوسرے عرب ممالک میں بھی کام کا آغاز ہوا اگرچہ شروع میں بہت سی رکاوٹیں

ے سوانح مولانا محمد یوسف ص ۴۲۵

اور پریشانیاں سامنے آئیں مگر آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے نصرت و کامیابی کے آثار ظاہر ہونے لگے اس سلسلے میں مولانا محمد زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں [1]

"تبلیغی احباب اپنے غیر ملکی سفر عموماً حرمین سے شروع کرتے تھے خواہ وہ ممالک عرب کے ہوں یا یورپ وغیرہ کے خصوصاً مدینہ طیبہ سے روانگی ہوتی تھی جس میں باطنی برکات کے علاوہ ظاہری مصالح بالخصوص کرنسی وغیرہ کی مشکلات سے ایک حد تک امن تھا اسکے ساتھ ہی ایک سہولت اس میں من جانب اللہ ہوتی تھی کہ حج کے موقع پر چونکہ اطراف عالم کے لوگ شریک ہوتے تھے اور وہ لوگ اس دینی کام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اس لئے ان میں اس کام کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور وہ جانے والوں کے لئے فی الجملہ معین بنتے تھے اس سب کے باوجود جماعت کو اس مبارک کام کے اندر جو مجاہدے اختیار کرنے پڑتے تھے مثلاً پیدل چلنا چنوں اور کھجور پر کبھی کبھی گزر کرنا۔ یہ چیزیں آنے والی تھیں اور آئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی جانب سے بہت سی کھلی ہوئی اعانتیں اور مددیں ہر ہر موقع پر ہوتی رہتی تھیں۔

ہٰذا مصر، سوڈان، عراق، شام، اردن، فلسطین، لبنان، حضرت موت، لیبیا یمن، تیونس، الجزائر، مراکش وغیرہ میں دعوت و تبلیغ کا کام متعارف ہوا اور خوب پھیلا۔

افریقہ | عرب ممالک میں تبلیغ و دعوت کے بعد افریقہ و یورپ کے ممالک میں

---

[1] سوانح مولانا محمد یوسف ص ۴۳۰ - ۴۳۱

بھی کام کا آغاز ہو گیا چنانچہ افغانستان، انڈونیشیا، ملایا، برما، سیلون اور افریقہ جیسے دور دراز ممالک میں تبلیغی جماعتیں پہنچیں افریقہ میں اول اول تبلیغی جماعتیں ۱۹۵۶ء میں پہنچیں اور (۱) کینیا (۲) یوگنڈا (۳) تنزانیا (۴) ملاوی (۵) زمبیا (۶) موزنبیق (۷) مشرقی افریقہ (۸) روڈیشیا (۹) جنوبی افریقہ (۱۰) مورشیش یونین وغیرہ میں تبلیغی کام کا تعارف کرایا ان جماعتوں میں گجراتی حضرات کی اکثریت تھی۔

یورپ ایشیاء وافریقہ کے بعد تبلیغ ودعوت کا کام یورپ، افریقہ اور جاپان میں بھی پہنچا۔ ان ملکوں میں مادیت کا دور دورہ ہے۔ جدید تہذیب نے اخلاق وروحانیت کا جنازہ نکال دیا ہے لیکن اللہ کے بندوں نے وہاں بھی اللہ اور رسول کا پیغام پہنچایا لندن مانچسٹر، بریڈ فورڈ میں خوب کام ہوا ایک تاثر ملاحظہ ہو۔[۱]

"الحمد للہ جماعتوں کی نقل وحرکت کی برکت سے مختلف جگہ مساجد قائم ہو گئی ہیں اذان اور باجماعت نمازوں کا اہتمام ہونے لگا ہے اور جہاں مسجد نہیں ہیں وہاں کے احباب انکے بنانے کی فکر کر رہے ہیں انشاء اللہ بہت جلد بہت سی مساجد ہو جائیں گی یہاں مختلف شہروں میں اسی عالی عمل کے لئے فکر مند ہیں اور مقامی طور پر ہفتہ واری گشت، تعلیم اجتماع اور شب گزاری کرتے ہیں۔ ایسے مقامات بھی ہیں جہاں کی جماعتیں مختلف اوقات کے لئے ہر مہینے باہر نکلتی ہیں ہر جگہ کے احباب ہماری جماعت کی خوب نصرت کرتے ہیں ان کے دلوں میں کام کی بڑی عظمت ہے۔ اور جماعت کی بڑی قدر کرتے ہیں مختلف شہروں

---

[۱] سوانح مولانا محمد یوسف ص ۵۱۱

کے احباب ہمارے ساتھ پھر رہے ہیں ہفتہ اتوار میں خوب کام ہوتا

ہے اور عام طور سے لوگ ان دو دن میں خوب محنت کرتے ہیں

اور اجتماعات ہوتے اور ترغیب و دعوت دی جاتی ہے اور لوگ

چلے اور تین چلوں کے لئے تیار ہو رہے ہیں"

امریکہ میں واشنگٹن، بفیلو ڈیٹرائٹ، ڈیربون، شکاگو، میڈ ارینڈ، سان

فرانسسکو میں بھی دعوت و تبلیغ کی آواز پہنچی ۔

جاپان۔ جاپان میں تبلیغ کی دعوت کا سہرا اہتمام تر عبدالرشید ارشد[1] کے

سر ہے اس سلسلہ میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو

"خدا کا شکر ہے ہمارے ہر اجتماع کا پروگرام بہت مفید اور موثر ثابت

ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے ہماری کامیابی کے اسباب مہیا فرما دیئے۔

ان روح پرور مناظر کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں جن

کے ہم مشتاق تھے اور جن کے لئے ہم گڑگڑا کر رو رو کر دعائیں مانگا

---

[1] عبدالرشید ارشد پشاور کے رہنے والے تھے مغربی تعلیم حاصل کی پشاور کلکتہ، بمبئی میں ٹیلیفون کے محکمے میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے تقسیم کے بعد لاہور میں محکمہ ٹیلیگراف میں ڈویژنل انجینئر رہے۔ مولانا محمد الیاس مرحوم کے زمانہ ہی میں جماعت سے وابستہ ہو گئے تھے پاکستان سے وہ محکمہ جاتی مشن پر جاپان گئے وہاں تقریباً دو ڈھائی سال رہے اس عرصے میں ان کے ہاتھ پر بڑی تعداد میں جاپانی مسلمان ہوئے کچھ عرصے بعد وہ تبلیغی جماعت میں امریکہ گئے وہاں بھی ان سے بڑا فائدہ پہنچا جب سعودی عرب کی حکومت نے آٹومیٹک ٹیلیفون کی اسکیم منظور کی اس کے نگراں اور انچارج کی حیثیت سے ارشد صاحب کا تقرر ہوا۔ انہوں نے زور و شور سے حجاز میں تبلیغی کام شروع کر دیا ۵ ارشعبان ۱۳۸۳ھ کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے جدہ پہنچنے سے پہلے راستے میں موٹر کا حادثہ پیش آیا اور وہ روزہ اور احرام کی حالت میں جاں بحق ہوئے۔ حرم شریف میں نماز جنازہ ہوئی اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے (سوانح مولانا محمد یوسف ص ۲۵۳ ۔ ۲۵۴

کرنے ہم دینی فضا پیدا کرنے، شعور کو بیدار کرنے میں کامیاب ہوئے اس میں ملاقاتوں اور گفتگو کا بڑا دخل ہے"

جاپان میں اس تبلیغی جماعت کے ذریعے کلمۂ توحید کی آواز بودھ مندروں اور خانقاہوں میں گونجی اور بہت سے جاپانی مشرف با اسلام ہوئے ان میں حاجی عمر مینا، عبدالکریم سیتو، یوسان خاص طور سے قابل ذکر ہیں ان لوگوں کے اسلام لانے کے حالات نہایت دل چسپ اور سبق آموز ہیں۔ ان کے حالات و واقعات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

مولانا محمد یوسف مرحوم کے زمانے میں دعوت و تبلیغ کی تحریک تمام دنیا میں متعارف ہوئی مولانا نے اپنی ساری زندگی تحریک تبلیغ کے لیئے وقف کر دی اور انہوں نے اس کے ثمرات بھی اپنی زندگی میں دیکھ لیئے۔

مولانا محمد یوسف کا آخری حج مولانا محمد یوسف ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ مارچ ۱۹۶۴ء میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ یہ ان کا آخری حج تھا اس سفر میں مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور تبلیغی کام کرنے والوں کی ایک جماعت ہمراہ تھی مکہ معظمہ پہنچ کر صبح و شام مولانا محمد یوسف کی تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا حرم شریف نیز دیگر اجتماعات میں مولانا خطاب فرماتے رہے مدینہ منورہ پہنچنے پر بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لیئے چھبیس جماعتیں نکلیں جن میں سے اٹھارہ جماعتیں یورپ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لیئے اور آٹھ جماعتیں ممالک عربیہ کے لیئے روانہ ہوئیں

اس سفر حج سے واپسی کے موقع پر مولانا محمد یوسف کراچی تشریف لائے اور یہاں کے تبلیغی مرکز کی مسجد میں تین دن قیام رہا حسب معمول دعوتی۔

تقریروں اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ راقم الحروف نے مکی مسجد کی بعض تقاریر میں شرکت کی اور مولانا کی تقاریر سنیں۔ معلوم ہوتا تھا ایک بحر بے کراں ہے کہ جس کی وسعتوں کا کوئی حدود شمار نہیں یا کوہ آتش فشاں ہے جس سے دین کی تڑپ تعلق باللہ کا سوز اور تبلیغ و تذکیر کا لاوا اچھٹا پڑ رہا ہے۔ وہ کیفیت دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی تھی۔ جب تقریر ختم ہو گئی تو چائے کے لئے تشریف لے گئے چائے پر بھی وہی موضوع، وہی تقریر، وہی گفتگو اور وہی انداز تھا۔

نماز عصر کے بعد پھر خطاب شروع ہو گیا۔ صحابہ کرام کے تذکرے، دین کے لئے ان کی جدوجہد اور قربانیوں کا ذکر، آخرت کا خوف اور دنیا کی بے ثباتی کا بیان مولانا کی تقریروں کا موضوع رہے ہمارا یہ تاثر ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دنیادار کیوں نہ ہو اگر مولانا محمد یوسف کی تقریریں ایک ہفتہ سن لیتا اور ان کے ساتھ رہ لیتا تو دنیا سے اس کا دل سرد ہو جاتا۔ مولانا محمد یوسف کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کچھ اسی طرح کے ہوں گے۔ دین کی خدمت کے لئے صحابہ کرام کا ایسا ہی والہانہ جذبہ ہوگا اور دنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لئے صحابہ کرام کی وارفتگی کا یہی عالم ہوگا

مولانا محمد یوسف کراچی، لائل پور، سرگودھا، ڈھڈیاں (مدفن مولانا عبدالقادر رائے پوری)، راولپنڈی، رائے ونڈ اور لاہور ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے

سفر پاکستان مولانا کا آخری سفر پاکستان فروری ۱۹۶۵ء میں ہوا۔ پہلے ڈھاکہ کے اجتماع میں شرکت فرمائی پھر مغربی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی، میرپور خاص، ملتان، کنگن پور، ٹل دکوہاٹ، اور راولپنڈی کے اجتماعات میں شرکت کی۔ اس کے بعد رائے ونڈ پہنچے۔ وہاں کے اجتماع کے بعد لاہور گئے۔ پھر ناروال کے اجتماع میں شرکت کی۔ اس کے بعد گوجرانوالہ پہنچے۔ وہاں نماز جمعہ سے پہلے اور

اس کے بعد تقریر فرمائی۔ عصر کے بعد لاہور تشریف لائے۔ کچھ اندرونی تکلیف نارووال ہی سے شروع ہو گئی تھی مگر اس کا اظہار نہیں کیا وہاں تین چار روز قیام کرنے کے بعد رائے ونڈ تشریف لائے اور وہاں تین دن ٹھہرے روزانہ صبح کو خواص سے خطاب ہوتا تھا اور بقیہ اوقات میں کارکنوں کو ہدایات و نصائح فرمائے جاتے تھے۔

علالت یکم اپریل بروز جمعرات نماز عصر بلال پارک (لاہور) میں ادا فرمائی تکلیف کی وجہ سے اس روز تقریر کے لیے طبیعت آمادہ نہ تھی مگر لاہور کے دوستوں نے زور دیا کہ شہر کے لوگ کثیر تعداد میں آئے ہیں اور یہ اس سفر کی آخری تقریر ہو گی۔ مولانا طبیعت کے خلاف ہمت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹے تک طویل تقریر فرمائی۔ آواز سے نقاہت اور کمزوری ظاہر ہو رہی تھی، تقریر کے بعد ایک نکاح پڑھایا۔ مسجد سے نکل کر فرمایا کہ مجھے سنبھالو۔ لوگوں نے سہارا دیا پیر لڑکھڑا گئے اور غشی طاری ہو گئی۔ چارپائی پر لٹا دیا گیا۔ نبض ڈوب گئی حکیم احمد حسن صاحب نے زہر مہرہ دیا، ماہر قلب کرنل ضیاء اللہ صاحب کو بلایا گیا انہوں نے بتایا کہ دل کا شدید دورہ پڑا ہے اس سے جان بر ہونا ایک کرامت ہے

ڈاکٹر صاحب نے فوراً اسپتال میں داخلہ کا مشورہ دیا جس پر عمل نہ ہو سکا رات کو تین بجے عشاء کی نماز ادا کی۔ صبح اٹھے تو طبیعت میں بشاشت تھی۔ صبح کو بعض ضروری ہدایات دیتے رہے۔ کرنل ضیاء اللہ صاحب پھر آئے۔ مولانا کو دیکھا بہت مطمئن ہوئے اور کہا کہ اتنی جلد صحت میں ترقی ہمارے خیال میں بھی نہ تھی اب حالت روبہ اصلاح اور قابل اطمینان ہے۔ چاء وغیرہ کی اجازت دے دی گئی۔ اسپتال کے داخلے کی تجویز منسوخ ہو گئی اور ڈاکٹر اسلم صاحب کی نگرانی طے ہوئی۔ سہارنپور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا چند روز آرام کرنے کے بعد جانا

تجویز ہوا۔

انتقال جمعہ کا وقت ہوا تو لوگ نماز کے لئے چلے گئے خطبے کے ختم ہونے پر صفیں درست ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر اسلم کو بلایا گیا۔ سانس کی تکلیف شروع ہو چکی تھی اب یہ دوسرا دورہ تھا سب لوگ سمجھے کہ اب وقت آخر ہے فرمایا مجھے نماز پڑھاؤ اور مختصر پڑھاؤ۔ مولانا انعام الحسن نے نماز پڑھائی۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ دوبارہ حملہ ہوا ہے آکسیجن دینے کے لئے اسپتال لے جانا ضروری ہے۔ اسپتال میں نرسوں کے ہونے کی وجہ سے انکار فرمایا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ ان کے پاس نرسیں نہیں آئیں گی تو جانے کے لئے تیار ہو گئے سانس کی گھڑگھڑاہٹ شروع ہو گئی تھی۔ دعائیں پڑھنی شروع کیں۔ کار میں لے کر اسپتال روانہ ہوئے مولانا انعام الحسن، ڈاکٹر اسلم اور مولوی محمد الیاس صاحب میواتی ہمراہ تھے ریلوے ورکشاپ کا پل پار کر کے گڑھی شاہو کے چوک کے قریب دریافت کیا اسپتال کتنی دور ہے عرض کیا گیا کہ ابھی آدھا فاصلہ باقی ہے۔ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہہ کر زبان بند ہو گئی۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے سورہ یٰسین پڑھنی شروع کی کہ وقت موعود آگیا بروز جمعہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ (۲ اپریل ۱۹۶۵ء) کو اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے والے مبلغ مولانا محمد یوسف نے دار فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون٥

جنازہ بلال پارک لایا گیا۔ مولانا محمد یوسف کے انتقال کی خبر ذرا سی دیر میں آگ کی طرح تمام شہر لاہور میں پھیل گئی۔ لوگوں کا ہجوم ہونا شروع ہو گیا۔ شام ہوتے ہوتے ہزاروں کا مجمع تھا۔ نماز جنازہ مولانا انعام الحسن نے پڑھائی۔

مولانا انعام الحسن صاحب کی رائے تھی کہ لاہور ہی میں دفن کر دیا جائے مگر

بعض لوگوں کے اصرار پر مولانا محمد زکریا صاحب سے دریافت کیا گیا اور ان کے حکم پر طے ہوا کہ جنازہ دہلی لے جایا جائے۔ چنانچہ رات کو ڈیڑھ بجے جنازہ بذریعہ ہوائی جہاز لاہور سے روانہ ہوا اور تین بجے دہلی کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ وہاں سے جنازہ بستی نظام الدین لے جایا گیا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپور سے دہلی تشریف لا چکے تھے۔ دہلی میں بھی یہ افسوسناک خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ صبح نو بجے مولانا محمد زکریا صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ستر اسی ہزار آدمی شریک تھے آخر مولانا محمد یوسف کو ان کے والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

قطعہ تاریخ وصال حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

از جناب انور حسین نفیس الحسینی صاحب نفیس رقم۔ لاہور

اے نور عین حضرت الیاس دہلوی — اے یوسف زمانہ والے صاحب جمال
اسلام کا نمونہ تیری زندگی رہی — لاریب تیری ذات تھی روشن ترین مثال
ہر بت کدے میں تیری اذان گونجتی رہی — اللہ نے دیا تجھے نطق و لب بلال
تبلیغ دین حق میں گزاری تمام عمر — اس راستے میں جان بھی دیدی زہے کمال
وارد ہوا یہ قلب حزینِ نفیس پر — "راس مبلغاں" ہے تیرا سال انتقال

مولانا محمد یوسف کا علمی کام

مولانا محمد یوسف کی تمام تر زندگی تبلیغ و دعوت کے لئے وقف تھی مگر وہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے انہوں نے پڑھانا تو زمانہ طالب علمی ہی سے شروع کر دیا تھا اور آخر وقت تک یہاں کا محبوب مشغلہ رہا مگر تصنیف و تالیف کے میدان بھی انہوں نے قابل قدر کام کیا ہے۔ امانی الاحبار اور حیات الصحابہ ان کی مشہور و معروف

کتابیں ہیں۔

امانی الاحبار امام طحاوی کی کتاب" شرح معانی الآثار" کی عربی شرح امانی الاحبار کے نام سے لکھی ہے صورت یہ ہوئی کہ جب مولانا محمد یوسف نے ۱۳۴۵ھ میں اپنے والد مولانا محمد الیاس سے" شرح معانی الاثار" پڑھنی شروع کی تو پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی شرح بھی لکھنے لگے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد تبلیغی ذمہ داریوں کے باوجود اس کام کو جاری رکھا۔ صرف پہلی جلد ۱/۲ حصہ لکھ سکے تھے یہ مواد دو جلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔ مطبوعہ دونوں جلدیں باب صلوٰۃ العصر ہل تعجل او تو مخر تک پہونچی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ بقیہ کام کی تکمیل مولانا انعام الحسن صاحب کر رہے ہیں۔

حیات الصحابہ مولانا کی دوسری قابل قدر کتاب حیات الصحابہ ہے جو عربی زبان میں ہے اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب درحقیقت عہد رسالت اور عہد صحابہ کی ایک مکمل تاریخ ہے حیات الصحابہ کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے ترجمے کے فرائض مولوی محمد عثمان فاضل دیوبند نے انجام دے ہیں

ان مستقل تصانیف کے علاوہ مولانا محمد یوسف کی تقاریر اور مکتوبات بھی مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ مولانا کی تقاریر و مکتوبات کا ایک مجموعہ مرقع یوسفی کے نام سے مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹ء نے شائع کیا ہے۔

مرقع یوسفی یہ مجموعہ دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں حضرت مولانا محمد یوسف کے بارہ خطوط اور ہدایت نامے ہیں جو انہوں نے مختلف اوقات میں دینی کام کرنے والی جماعتوں اور ذمہ دار حضرات کے نام لکھے ہیں۔ دوسرے حصے میں مولانا کی دس تقریریں ہیں جو انہوں نے مختلف اجتماعات میں کی تھیں

اس کتاب پر راقم الحروف نے مقدمہ تحریر کیا ہے۔

ضرورت ہے کہ حضرت مولانا کے تمام خطوط مدون و مرتب کر کے شائع کئے جائیں اسی طرح ساری تقریریں جمع کر کے ترتیب و تہذیب کے بعد طبع کی جائیں۔ مولانا کے مکتوبات و تقاریر بھی علوم معارف اور دعوت و عزیمت کے خزانے ہیں

مولانا محمد یوسف کے کام کو اختلاف رائے رکھنے والوں نے بھی مانا اور سراہا ہے چنانچہ حسن ثانی ایڈیٹر ماہنامہ منادی دہلی لکھتے ہیں [1]

"مولانا محمد یوسف صاحب بھی آخر اللہ کو پیارے ہو گئے وہ تبلیغی جماعت کے امیر اور روح رواں تھے اور اپنے والد صاحب حضرت مولانا محمد الیاس مرحوم کے بعد انہوں نے تبلیغ کے کام کو اتنی وسعت دی تھی اور اس کو ایسے چار چاند لگاتے تھے کہ ہر شخص بے اختیار آخریں کہتا تھا...... انہوں نے جس لگن سے تبلیغ کا کام کیا اس کے بارے میں شاید دو رائیں نہ ہوں۔ ان دونوں حضرات (مولانا محمد الیاس و مولانا محمد یوسف) نے تبلیغ کے چرچے دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دئے خاص کر مولانا یوسف کے زمانے میں تو کام کو بیحد وسعت ملی"

جناب وحید الدین صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں [2]

"مولانا محمد یوسف.... اکیس سال تک برابر اس کام میں لگے رہے اور اس مختصر مدت میں اتنی زبردست کامیابی حاصل کی کہ وہ

---

[1] ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۵ ص ۲۱

[2] ملاحظہ ہو الفرقان لکھنؤ ۱۳۸۶ھ ص ۲۱

تحریک جو میوات کے ان پڑھ مسلمانوں کو کلمہ و نماز سکھانے کی
تحریک کے نام سے مشہور تھی اس کو پہلے مل کر . . . . اور پھر
ایک بین الاقوامی تحریک بنا دیا اور ہر طبقہ اور ہر ذہنی سطح کے لوگوں
کو اس کثرت سے متاثر کیا کہ ایک بزرگ کے الفاظ میں اس کی نظیر
قریب کی پچھلی صدیوں میں تلاش کرنے سے بھی مشکل سے ملے گی"
آخر میں ہم ندائے ملت لکھنؤ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۶۵ء کا سرورق نقل کرتے
ہیں. جس میں حقیقت و عقیدت کی صحیح عکاسی کی گئی ہے .

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں !

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح کا انتقال

ایک ایسے داعی کا انتقال ہے جس کا پوری دنیا میں کوئی ثانی تلاش کرنا مشکل ہے
ایک ایسے مجاہد کا انتقال ہے جس نے بیس سال میں سینکڑوں سال کا کام
انجام دیا ۔
ایک ایسے مبلغ کا انتقال ہے جس کی ہمت مردانہ سے دنیا کے دور دراز
گوشوں میں دینی دعوت و اصلاح کا پیغام پہنچ گیا ۔
ایک ایسے عالم کا انتقال ہے جس کی زندگی سراپا عمل تھی
ایک ایسے روحانی پیشوا کا انتقال ہے جو ہر دم میدان میں سرگرم کار رہا
ایک ایسے بندے کا انتقال ہے جس نے اس چودھویں صدی میں قرن اول کے
اسلام کا نمونہ پیش کیا ۔
ایک ایسے امتی کا انتقال ہے جس نے دنیا کو ایک بار پھر سنت محمدی کی زندہ
جھلکیاں دکھلائیں ۔

ایک ایسے انسان کا انتقال ہے جس کی قوت کارکردگی کے سامنے سینکڑوں افراد کی اجتماعی کارکردگی ہیچ تھی۔

ایک ایسے صاحب دل بزرگ کا انتقال ہے جس کا دل سوز تپش کی بھٹی تھا۔

ایک ایسے معلم کا انتقال ہے جس نے لاکھوں انسانوں کو علم دین سکھا دیا۔

ع آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

مولانا محمد یوسف مرحوم کے انتقال کے بعد تبلیغی جماعت کے امیر مولوی انعام الحسن صاحب مقرر ہوئے مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث کی سرپرستی میں کام آگے بڑھ رہا ہے۔ ان حضرات کے علاوہ مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مساعی جمیلہ بھی جماعت کے لئے خاص طور سے قابل ذکر ہیں آخر میں ہم ان ہر چہار حضرات کے مختصر سے حالات بھی شامل کر رہے ہیں۔

مولوی انعام الحسن حضرت مولانا محمد یوسف کے انتقال کے بعد مولوی انعام الحسن صاحب ان کے جانشین مقرر ہوئے وہ ۱۹۱۸ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے ان کے والد مولوی اکرام الحسن، مولانا محمد الیاس مرحوم کے بھانجے تھے۔ مولوی انعام الحسن صاحب عمر میں مولانا محمد یوسف مرحوم سے ایک سال چھوٹے ہیں لیکن تعلیم و تربیت تمام تر ساتھ ساتھ ہوئی۔

ان کی ابتدائی تعلیم کاندھلہ میں ہوئی ۱۹۳۵ء میں وہ دہلی آگئے اور فارسی و عربی کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ ۱۹۴۱ء میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے مولانا محمد زکریا صاحب سے ابوداؤد پڑھی ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ کو مولانا محمد یوسف اور مولوی انعام الحسن صاحب کا عقد مولانا محمد زکریا صاحب کی صاحبزادیوں کے ساتھ ہوا۔ دونوں حضرات ایک ہی ساتھ مولانا محمد الیاس مرحوم سے بیعت ہوئے دونوں نے حج بھی ایک ہی ساتھ کیا۔ تبلیغ و دعوت میں بھی دونوں ایک ساتھ رہے

اور جس سفر میں مولانا محمد یوسف کا انتقال ہوا اس میں مولوی انعام الحسن ساتھ تھے وہ بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک ہیں ۔ مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں [1]

"حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی حیات میں تو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بالکل خاموش رہتے تھے البتہ مشوروں اور اجتماعات میں ضرور شرکت فرماتے تھے لیکن حضرت جی کے انتقال کے بعد جب آپ کی جانشینی عمل میں آئی تو میں نے ایک ساکت اور خاموش انسان کو متحرک اور فعال پایا ۔ آنے والوں کا خیال اور ہر صادر و وارد کو ہدایات تبلیغ کرنا اور اجتماعات میں تقریریں، غرضکہ مولانا اب ناقابل تسخیر عزم و حوصلہ کے انسان ہیں امید ہے کہ آپ کی رہنمائی میں یہ کام اور بڑھ جائے گا "

مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث کا تبلیغی جماعت سے خاص تعلق ہے اور آج کل دراصل وہی اس کے سرپرست ہیں مولانا محمد زکریا ۱۰ رمضان ۱۳۱۵ھ کو بمقام کاندھلہ پیدا ہوئے اکثر درسی کتابیں اپنے والد مولانا محمد یحیٰی سے پڑھیں ۔ مولانا محمد الیاس سے بھی استفادہ کیا ۔ شعبان ۱۳۳۳ھ میں علم حدیث کے علاوہ تمام درسی کتابیں ختم کرلیں ۔ ۱۳۳۴ھ میں اپنے والد سے دورۂ حدیث پڑھا ۔ صحیح بخاری اور ترمذی مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سے پڑھیں اور ان ہی سے بیعت کی اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے ۔

۱۵ محرم ۱۳۳۵ھ کو مولانا محمد زکریا کا تقرر مدرسہ مظاہر العلوم میں بحیثیت مدرس ہوا ۔ ۱۳۴۱ھ سے حدیث شریف کی تدریس شروع ہوئی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے مدرسہ مظاہر العلوم نے شیخ الحدیث کے وجود باجود کی

---

[1] سوانح حضرت جی از مفتی عزیز الرحمٰن (دہلی ۱۹۶۶ء) ص ۳۸

وجہ سے بہت ترقی کی ہے شیخ الحدیث کو تصنیف و تالیف سے خاصا شغف ہے اس سلسلے میں انہوں نے اہم علمی خدمات انجام دی ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں ان کی مشہور و مقبول تصانیف ہیں۔

۱۔ خصائل نبوی ۔ اردو زبان میں سیرت و شمائل نبوی پر مفید کتاب ہے

۲۔ اوجز المسالک ۔ موطا امام مالک کی شرح (عربی) چھ ضخیم جلدوں میں ہے یہ کتاب دراصل علم حدیث کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

۳۔ الاعتدال ۔ سیاسی مسائل پر مفصل مکتوب

۴۔ حکایات صحابہ ۔ صحابہ کرامؓ کے حالات و واقعات کا دلآویز مرقع تبلیغی نصاب میں شامل ہے۔

۵۔ فضائل نماز (۶) فضائل ذکر (۷) فضائل تبلیغ (۸) فضائل قرآن (۹) فضائل رمضان (۱۰) فضائل صدقات (۱۱) فضائل حج (۱۲) تعلیقات الکوکب الدری (۲ جلد) (۱۳) لامع الداری (۲ جلد) (۱۴) فضائل درود شریف (۱۵) قرآن اور جبریہ تعلیم

مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث کی ذات گرامی مسلمانوں کے لئے بالعموم اور تبلیغی جماعت کے لئے بالخصوص غنیمت ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی مولانا محمد منظور نعمانی ۱۳۲۳ھ میں ضلع مراد آباد (یو پی۔ انڈیا) کے مشہور تاریخی مقام سنبھل میں پیدا ہوئے[1] قرآن کریم کی ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی مگر چونکہ ابتدائی تعلیم کے زمانے میں تجربہ کار اساتذہ نہ ملے اس لئے زیادہ وقت لگا۔ پھر مولوی کریم بخش سنبھلی کی نگرانی میں مئو (اعظم گڑھ) کے مدرسہ میں داخل ہوئے وہاں تین

---

[1] ملاحظہ ہو الفرقان بریلی ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ ص ۳ ۔ ۳۰

سال کے عرصے میں متوسطات تک تعلیم حاصل کی بعد ازاں ایک سال معقولات کی تحصیل میں صرف کیا۔ شوال ۱۳۴۳ھ میں وہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دو سال میں وہاں کا نصاب ختم کر لیا شعبان ۱۳۴۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ چار سال تک مولانا محمد منظور نعمانی نے تدریس کے فرائض انجام دئے

محرم ۱۳۵۳ھ میں بریلی (روہیل کھنڈ) سے مولانا محمد منظور نعمانی نے ایک دینی تبلیغی ماہنامہ الفرقان جاری کیا جس نے جلد ہی دینی و علمی حلقوں میں قبول عام حاصل کر لیا۔ ابتدائی زمانے میں اس رسالے کے تین خاص نمبر۔ مجدد نمبر، اسمٰعیل شہید نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر شائع ہوئے جو علمی حلقوں میں خاصے مشہور ہیں۔ مولانا نعمانی نے خاصا تبلیغی لٹریچر شائع کیا۔ اور مناظروں میں بھی دلچسپی لی اور جلد ہی بریلی جیسے مقام میں قبول عام حاصل کر لیا۔

مولانا نعمانی نہایت خلوص دل سے تبلیغی تحریک سے وابستہ ہیں اور اس سلسلے میں پوری کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں ان کا رسالہ الفرقان ایک طرح سے تبلیغی تحریک کا مبلّغ و منادہے۔ مولانا نعمانی تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں مندرجہ ذیل ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

۱۔ معارف الحدیث
۲۔ تذکرہ مجدد الف ثانی
۳۔ دین و شریعت
۴۔ اسلام کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی مشہور مصنف و مورخ مولانا حکیم عبدالحی کے فرزند ارجمند اور خانوادۂ سید احمد شہید کے لائق و فاضل رکن ہیں۔ محرم ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۳ء دسمبر) رائے بریلی (دائرہ شاہ علم اللہ) میں پیدا ہوئے ان کے برادر اکبر ڈاکٹر سید

عبدالعلی نے تعلیم و تربیت فرمائی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ کے سپرد کر دے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں مولانا خلیل عرب مرحوم سے عربی پڑھنے کا تعلق قائم ہوا عرب صاحب نے اپنے خاص انداز میں ان کو عربی کی تعلیم دی جس کے نتیجے میں مولانا ابوالحسن علی صاحب نے عربی زبان و ادب میں خاص مہارت حاصل کر لی پھر مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی کے حلقہ درس و مطالعہ میں علم حدیث کی تحصیل کی چند مہینے دارالعلوم دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنی سے علمی استفادہ کیا[1]۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی بالغ نظر عالم صاحب طرز ادیب اور مصنف ہیں ان کے متعلق شاہ محمد نعیم ندوی لکچرار سندھ یونیورسٹی (حیدرآباد سندھ) تحریر فرماتے ہیں[2]

"وہ دارالعلوم (ندوہ) کے باضابطہ طالب علم کبھی نہیں رہے ان کا نام ندوہ کے رجسٹر میں موجود نہیں، باوجود اس کے انہوں نے جو کچھ سیکھا وہ ندوہ ہی سے سیکھا۔ درحقیقت ان کی پوری تعلیمی زندگی دارالعلوم ندوہ سے وابستہ رہی۔ عربی ادب جو ندوہ کا طرۂ امتیاز ہے ندوہ کے دو مایہ ناز اساتذہ شیخ خلیل بن محمد یمنی اور مشہور عالم ادیب شیخ تقی الدین ہلالی سے حاصل کیا۔ دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں سے حدیث کے اسباق لئے البتہ تفسیر کی تکمیل مولانا احمد علی لاہوری سے کی اور فقہ کی تعلیم مولانا شبلی فقیہہ سے دارالعلوم ندوہ میں حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاد اور شیخ التفسیر کے اعلیٰ عہدے پر

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب مولانا ابوالحسن ندوی بنام راقم مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۷۱ء

[2] مکتوب شاہ محمد نعیم ندوی بنام راقم مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۰ء

فائز ہوتے اور دس سال سے زیادہ مدت تک یہ خدمت انجام دیتے رہے اور اب ایک مدت سے ندوۃ کے شیخ الجامعہ ہیں اس وقت ہمارے علی میاں اردو عربی کے ایک اچھے مقرر، تاریخ و ادب کے نیز علمی اور تحقیقی میدان میں ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف ہیں اس کے علاوہ مسلمانوں کی قومی زندگی میں ایک بزرگ مفکر اور قائد کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ تذکرہ اور تاریخ مولانا کے خاص موضوعات ہیں ان کے علاوہ مذہبی اور اسلامی موضوعات پر بھی مولانا کی متعدد تصنیفات ہیں"

مولانا ابوالحسن علی ندوی تبلیغی تحریک سے مولانا محمد الیاس مرحوم کے زمانے سے وابستہ ہیں اور اس سلسلے میں خوب کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں وہ حجاز اور انگلستان وغیرہ کی جماعتوں میں بھی شریک ہو کر گئے ہیں۔ مولانا ندوی مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت (۳ جلد)
۳۔ سیرت سید احمد شہید
۴۔ تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی
۵۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
۶۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری
۷۔ قادیانیت
۸۔ عالم اسلام میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
۹۔ کاروان مدینہ

۱۰۔ شرق اوسط میں کیا دیکھا

۱۱۔ دو ہفتے ترکی میں۔

۱۲۔ ارکان اربعہ کتاب و سنت کی روشنی میں

۱۳۔ مکاتیب مولانا محمد الیاس

ان کے علاوہ مولانا کی پندرہ کتابیں عربی زبان میں شائع ہوئی ہیں۔

باب دہم

پاکستان میں تبلیغی جماعت کا کام

دعوت کا آغاز ان علاقوں میں جو آج کل پاکستان میں شامل ہیں اس تحریک کا تعارف اور کام کا آغاز مولانا محمد الیاس مرحوم کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا کراچی میں سب سے پہلی جماعت ۱۳۶۲ھ میں جے اینڈ جی فضل ربی کمپنی کے مالکان کی تحریک پر آئی۔ ان لوگوں کو مولانا محمد الیاس سے کسی قدر تعلق ہو گیا تھا۔ جنوری ۱۹۴۶ء میں ایک مختصر سا تبلیغی وفد مولوی قاری رضا حسن صاحب کی سرکردگی میں سندھ کے دورہ پر آیا اس میں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب بھی شامل تھے ٹنڈو قیصر میں تبلیغی اجتماع ہوا اور سندھ کی ایک جماعت جے پور ہوتے ہوئے بستی نظام الدین پہنچی۔ جس کے امیر مولانا نعمانی ہی تھے۔ کراچی میں دوسری جماعت اپریل ۱۹۴۶ء میں مولوی رضا حسن صاحب کی امارت میں آئی جس سے کراچی میں کام کا آغاز ہوا اور جماعتیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ مولانا چاہتے تھے کہ بندرگاہوں پر خوب کام ہونا چاہئے تاکہ وہاں سے دوسرے ممالک خصوصاً عرب تک یہ کام پھیل سکے جب سندھ میں تیسری جماعت پہنچی تو مولوی ہاشم جان مجددی صاحب کو اس تحریک سے دلچسپی پیدا ہو گئی چنانچہ وہ دہلی بھی تشریف لے گئے۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں ایک اور جماعت سندھ پہنچی اسی زمانے میں پشاور اور قلات میں بھی دعوت کا آغاز ہو گیا پشاور سے ایک جماعت عبدالرشید ارشد، مولوی احسان اللہ ندوی اور مستری عبدالقدوس وغیرہ پر مشتمل دہلی پہنچی۔ محمد شفیع قریشی صاحب کے تعلق سے قلات میں دعوت کا تعارف ہوا اور وسط اپریل ۱۹۴۶ء میں قلات

کی بعض ذمہ دار اور دینی شخصیتیں بستی نظام الدین آئیں اور انہوں نے دہلی اور میوات کا دورہ بھی کیا۔ قلات سے جماعت آنے کے بعد قلات میں اسی طریقے پر کام شروع ہوگیا اور مئی ۱۹۴۶ء میں مولانا محمد یوسف کراچی اور قلات آئے اور انہوں نے اجتماعات سے خطاب فرمایا اور ان علاقوں میں کام کا خاصا تعارف ہوا۔

کراچی میں پہلا اجتماع تقسیم ہند کے بعد بہت سے ایسے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آگئے جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا اور ان علاقوں کے رہنے والے لوگ بھی پہلے سے اس دعوت سے وابستہ تھے اس طرح نئی اور پرانی قوتیں مل گئیں۔ تبلیغی کام کی بنیاد پڑگئی اور اس کام کا مرکز رائے ونڈ قرار پایا۔ تقسیم کے بعد پاکستان کا پہلا تبلیغی اجتماع ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں منعقد ہوا جس میں مولانا محمد یوسف نے شرکت کی۔ اس طرح قیام پاکستان کے بعد ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو لاہور میں پہلا اجتماع ہوا۔ سخت دشواریوں اور موانع کے باوجود مولانا محمد یوسف نے اس اجتماع میں شرکت کی۔ اس کے بعد مولانا کراچی آئے اور یہاں دس روز ان کا قیام رہا۔

محمد شفیع قریشی اور ملک دین محمد صاحب کی دعوت پر ۷ تا ۹ مئی ۱۹۴۸ء کو راولپنڈی میں ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں بھی مولانا محمد یوسف نے شرکت فرمائی اور اس علاقے میں کام کو خوب ترقی ہوئی۔ ۲۰ تا ۲۲ اپریل ۱۹۵۰ء کو ایک اجتماع پشاور میں منعقد ہوا مولانا محمد یوسف کے علاوہ اس اجتماع میں مولانا عبدالقادر رائے پوری اور حافظ فخر الدین (مجاز مولانا خلیل احمد انبیٹھوی) نے بھی شرکت فرمائی۔ اس اجتماع کے بعد مولانا محمد یوسف کراچی تشریف لائے اور یہاں دس روز مقیم رہے ۱۸ اپریل ۱۹۵۲ء کو سکھر میں اجتماع

ہوا جس میں پاکستان میں کام کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا گیا اور چند ہی سال میں خاصی وسعت پیدا ہو گئی اور کام چل پڑا ۔ اس وقت مغربی پاکستان میں کام کرنے کے لئے سات مرکز (۱) کراچی (۲) راولپنڈی (۳) لاہور (۴) حیدر آباد (۵) پشاور (۶) کوئٹہ (۷) ملتان قرار پائے اور مشرقی پاکستان میں بھی تین مرکز (۱) ککرائل (۲) چاٹگام (۳) کھلنا مقرر ہوئے اور جماعتوں کی نقل و حرکت عمل میں آنے لگی ۔

رائے ونڈ رائے ونڈ کے مرکز سے تبلیغ کا کام خوب پھیلا ۔ مولانا محمد یوسف نے یہاں آکر اکثر اجتماعات میں خوب تقریریں کیں ۔ رائے ونڈ کے کام پر تبصرہ کرتے ہوئے سید محمد ثانی لکھتے ہیں ۔

"رائے ونڈ میں بے شمار تقریریں ہوئیں جن سے ہزاروں افراد نے یقین و اعتماد کی دولت پائی اور اپنی عمروں کو تبلیغی کام میں لگایا عرب اور دوسرے ممالک کے اہل علم حاضر ہوئے اور ان کی تقریروں سے مقامی باشندوں نے فائدہ اٹھایا اور آج بھی اس مرکز سے تبلیغی شعاعیں پھوٹ کر مشرق و مغرب کے علاقوں میں اپنی روشنی پھیلا رہی ہیں ۔ یورپ کے ممالک کے کتنے ایسے مسلمان ہیں جو اس مرکز میں برابر آتے رہے ہیں اور یہاں جو نظام چلتا ہے اس میں شرکت کرتے ہیں اور پھر واپس جاکر اپنے اپنے ملکوں میں تبلیغی کام کی اشاعت کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے اہل تعلق نے جس تندہی جفاکشی محنت اور مجاہدات کے ساتھ دعوت الی اللہ کی اس تحریک کو پھیلایا اور ایمان و یقین اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ خروج فی سبیل اللہ کو جس طرح

رواج دیا اور اس کو عام کیا وہ ناقابل بیان ہے نیز پاکستان کی تبلیغی جماعتوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنے ہی ملک میں تبلیغی کام کیا ہو بلکہ دوسرے ممالک جیسے حجاز، مصر، شام، عراق، اردن ترکی، انگلینڈ، جاپان، امریکہ نیز یورپین ممالک اور افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں اوقات لگائے اور تکلیفیں اٹھا اٹھا کر پیدل اور سواریوں کے ذریعے جو مسلسل کام کیا، دوسرے ممالک کے افراد اور جماعتوں کو اپنے ملک میں لائے اور ان کو اپنے یہاں پھرایا اور تعاون واشتراک سے پوری دنیا کو ایک صحن بنا دیا اور حدود وثغور کی تفریق مٹادی وہ ناقابل تردید ہے۔"

مشرقی پاکستان تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات مشرقی پاکستان میں بھی پہنچ چکے تھے اور پہلے سے بھی وابستہ لوگ ان علاقوں میں موجود تھے۔ لہذا ان تمام حضرات کی خواہش اور دعوت پر مولانا محمد یوسف بہمراہی مولانا انعام الحسن صاحب جنوری ۱۹۵۴ء میں ڈھاکہ پہنچے۔ ڈھاکہ اور اس کے اکناف واطراف میں اجتماعات منعقد ہوئے۔ جماعتوں کی تشکیل ہوئی اور نومبر ۱۹۵۴ء میں کھلنا میں ایک اجتماع ہوا اگرچہ اس اجتماع میں مولانا محمد یوسف شریک نہ ہو سکے مگر مولانا عبید اللہ بلیاوی وغیرہ نے شرکت کی اور اجتماع خاصا کامیاب رہا۔

فروری ۱۹۵۶ء میں چاٹگام میں اجتماع ہوا۔ مولانا محمد یوسف نے شرکت کی اس موقع پر دوسرے مقامات ڈھاکہ اور کھلنا میں بھی اجتماعات ہوئے پھر تو ڈھاکہ میں متعدد اجتماعات ہوتے اور اس طرح مشرقی پاکستان میں بھی خوب کام چل پڑا۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی دعوت پر مولانا محمد یوسف نے نومبر

سنہ ۱۹۶۲ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔

فروری سنہ ۱۹۶۵ء میں مولانا محمد یوسف نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا مولانا انعام الحسن ہمراہ تھے۔ یہ دورہ ڈھاکہ سے شروع ہوا۔ مولانا سہلٹ بھی گئے اور پھر حسب ذیل مقامات پر قیام کیا (۱) نواکھالی (۲) چاٹگام (۳) ملحقات چاٹگام (۴) دنیاج پور (۵) راج شاہی (۶) کھلنا (۷) فرید پور ——— مولانا کا یہ سفر مشرقی پاکستان میں بہت کامیاب ثابت ہوا اور وہاں کے لوگوں کو اس سے بہت دینی فائدہ ہوا اور بہت سے دیرپا اثرات مرتب ہوئے

پاکستان میں اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز رائے ونڈ ہے دوسرے مقامات پر بھی مراکز ہیں جہاں سے جماعتیں روانہ ہوتی ہیں مثلاً سندھ میں ٹنڈو آدم، کراچی میں مکی مسجد مرکز ہے جہاں ہر جمعرات کو اجتماع ہوتا ہے اور کام کا جائزہ لیا جاتا ہے لاہور میں بلال پارک مرکز ہے

دین خالص کی تبلیغ | اس جماعت کی کارکردگی، پروپیگنڈے، اشتہار ریڈیو اور اخبارات سے بے نیاز ہے ہر سال اور کبھی کبھی سال میں دو مرتبہ مختلف مقامات پر اجتماعات ہوتے ہیں نہ اخبارات میں اعلان چھپتا ہے نہ ریڈیو سے خبر نشر ہوتی ہے نہ کوئی پروپیگنڈہ لٹریچر طبع و شائع ہوتا ہے مگر وقت مقررہ پر ضبط و نظم کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دور دراز مقامات سے آکر جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے یہ مخلص بندے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔ کچھ خود سیکھتے ہیں اور کچھ دوسروں کو سکھاتے ہیں

یہ لوگ دین خالص کی تبلیغ نہایت سیدھے سادے طریقے سے کرتے ہیں ممکن ہے بعض ظاہر پرست ذہن ان کی دعوت یا طریقہ کار میں کشش محسوس نہ کریں مگر اس سیدھی سادی دعوت کے اثرات بہت دوررس ہوتے ہیں

مثلاً ایک چیز بطور مثال پیش کی جاتی ہے کہ بالعموم ان کے اجتماعات میں لاؤڈ سپیکر استعمال نہیں کیا جاتا شاید بعض لوگ اس بات کو قدامت پرستی پر محمول کریں۔ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ جب مقرر لاؤڈ سپیکر پر تقریر کرتا ہے تو پوری بستی کے لوگ بالعموم اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے یا بعض اوقات لیٹے لیٹے سنتے رہتے ہیں اور تقریر کے اختتام پر مقرر کے زبان و بیان کی داد دے دی جاتی ہے اور بس۔ لیکن جو تقریر مسجد میں لاؤڈ سپیکر کے بغیر ہوتی ہے اس کے سننے کے لیئے سامع خود جاتا ہے اپنا وقت صرف کرتا ہے اور پورے انہماک و توجہ سے اس کو سنتا ہے اور پھر اس سے مستفید بھی ہوتا ہے۔ اس جماعت کا طریقہ سیدھا سادہ ہے یہ لوگ اپنا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اختلافی مسائل کو راہ نہیں دیتے اکرام مسلم پر خاص زور دیتے ہیں اور فضائل کے ذریعے کام کی طرف ترغیب دلا کر اس میں لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس طریق دعوت میں برکت بھی دی ہے۔ آج کے حالات میں تو یہ طریقہ اور بھی مناسب ہے اور پھر اس میں ہر درجے اور جماعت کے لوگ شامل ہے۔ عامی بھی ہیں اور عالم بھی، سرکاری عہدیدار بھی ہیں اور تاجر بھی، پروفیسر بھی ہیں اور وکیل بھی انجینئر بھی ہیں اور جج بھی ——

کراچی میں ایک بزرگ ایس۔ ایم جمیل سابق اکاؤنٹنٹ جنرل ہیں خاموشی سے تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں ہم نے خود دیکھا کہ ان کے یہاں منچور یا کے دو باشندے آئے اور دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے انہوں نے باقاعدہ عملی طور سے اسلام سیکھا۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے پھر تو صورت و سیرت کے اعتبار سے بہت مقدس نظر آنے لگے۔ جمیل صاحب اکثر تبلیغ کے سلسلے میں باہر جاتے رہتے ہیں۔ آپکے ہاتھ پر تقریباً پانچ سو افراد مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔

پاکستان کے موجودہ حالات میں ضرورت ہے کہ دعوت و تبلیغ کے کام کو مزید وسعت دی جائے تاکہ نئی نسل جو تیزی سے الحاد و دہریت کی طرف جا رہی ہے وہ اسلام کے قریب آ سکے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کام کرنے کی بہت ضرورت ہے اور وہاں کام کی گنجائش بھی زیادہ ہے۔ ہم اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں یہ بات عرض کرتے ہیں کہ بہت سے طلبا اسلام کی بنیادی معلومات سے محروم ہیں۔ نماز ان کو غلط یاد ہوتی ہے اور اکثر کو کلمۂ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا اس سے معاشرے کے دوسرے حلقوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یہ جماعت سیاست سے کلیتاً کنارہ کش رہتی ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس عالمگیر تحریک کو کسی جگہ اپنے کام میں سیاسی نوعیت کی دشواری پیش نہیں آتی ظاہر ہے کہ آج بھارت میں مسلمانوں کو کس نازک دور سے گزرنا پڑ رہا ہے لیکن ان نامساعد حالات میں بھی یہ جماعت بھارت میں کام کر رہی ہے جس سے مفید نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

مولانا محمد یوسف کی ایک تقریر کا اقتباس

حقیقت ہے کہ اس تحریک کی کامیابی میں جماعت کے خلوص اور صحابہ کرام کے طریقے کے اتباع کی برکت کا دخل ہے آخر میں ہم مولانا محمد یوسف مرحوم کی ایک تقریر کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں کہ جس کے لفظ لفظ سے اجتماعیت و اخوت کا اظہار ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کو امت بننے کی دعوت دی گئی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے مقابلے میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں۔ جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری

امت ہل جاتی تھی اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ امت کسی ایک قوم اور ایک علاقے کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سینکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقے کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے کرتا ہے اور حضور کی اور صحابہ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔ امت کو ٹکڑے کر کے پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے۔ اگر مسلمان اب پھر مسلمان بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی ——— امت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلا تفریق اس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے کے گئے ہیں اور یاد رکھو امت پنے کو توڑنے والی چیزیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں ہیں۔ ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر یا بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور امت پنا ٹوٹتا ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا

حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی جب دوسروں
کے لئے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان
کرکے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا[1]

---

[1] منتخب یوسفی (کراچی ۱۹۶۶ء) ص ۱۸۵-۱۸۸
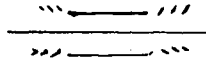
کتابیات

۱	آثار بنارس	مولوی عبدالسلام نعمانی	مکتبہ ندوۃ المعارف بنارس سنہ ۱۹۶۰ء
۲	آثار رحمت	امداد صابری	دہلی سنہ ۹۷ء
۳	آثار الصنادید	سرسید احمد خاں (مرتبہ خالد نصیر ہاشمی)	دہلی سنہ ۱۹۶۵ء
۴	آریہ سماج (انگریزی)	دیوان چند	لاہور سنہ ۱۹۴۲ء
۵	آریہ سماج اور اسلام	زمانہ کانپور	اپریل سنہ ۱۹۴۰ء
۶	آریہ مت کی عکسی تصویر	مولوی محمد فیروز الدین ڈسکوی	مطبع مفید عام سیالکوٹ سنہ ۱۳۲۲ھ
۷	آئین اکبری	ابوالفضل (سرسید ایڈیشن)	دہلی سنہ ۱۲۷۲ھ
۸	آئینہ حقیقت نما	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	کراچی سنہ ۱۹۵۰ء
۹	آئینہ دنیا	ٹھاکر رگھبیر سنگھ	مراد آباد سنہ ۱۹۳۰ء
۱۰	احسن السیر	محمد اکبر جہاں	اجمیر سنہ ۱۲۹۴ھ
۱۱	حسن الکتاب صفات الانساب (قلمی)	عبدالرحیم ساکن اترولی	(مملوکہ صوفی عبدالرحیم مرحوم)
۱۲	اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق دہلوی	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
۱۳	اخبار قلعہ رائے سین	مولوی عبدالباقی سہسوانی	لکھنؤ سنہ ۱۹۲۴ء
۱۴	اسباب بغاوت ہند	سرسید احمد خاں (مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)	کراچی سنہ ۱۹۵۷ء
۱۵	اسرار مداری	عبدالعلی	مطبع حسینی لکھنؤ سنہ ۱۲۸۶ھ
۱۶	اسلامی زندگی	مولانا محمد الیاس (مرتبہ احتشام الحسن)	دہلی سنہ ۱۲۶۴ھ
۱۷	اشرف نامہ	نواب اشرف خاں	مطبع فتح الاخبار کول سنہ ۱۸۵۴ء
۱۸	اعجاز مسعودی	عبدالعلی	مطبع حسینی لکھنؤ سنہ ۱۲۸۴ھ

۱۹ اقوام الہند — منشی کشوری لال — مطبع نول کشور ۱۸۹۶ء

۲۰ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا (جلد دوازدہم) — آکسفورڈ ۱۹۰۸ء

۲۱ امرائے ہنود — سعید احمد مارہروی — نامی پریس کانپور ۱۹۱۰ء

۲۲ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ — ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی — کراچی ۱۹۶۷ء

۲۳ بزم مملوکیہ — صباح الدین عبدالرحمٰن — اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء

۲۴ پیام عمل — مولوی احتشام الحسن — بریلی ۱۳۶۴ھ

۲۵ تاثرات — ملا واحدی — ہمدرد اکیڈمی کراچی ۱۹۷۰ء

۲۶ تاریخ اقوام پونچھ — محمد الدین فوق — لاہور ۱۹۳۶ء

۲۷ تاریخ اقوام کشمیر (جلد سوم) — محمد الدین فوق و مولوی عبداللہ قریشی — لاہور ۱۹۴۳ء

۲۸ تاریخ بڈھ شاہی — محمد الدین فوق — لاہور ۱۹۴۲ء

۲۹ تاریخ چھبال — ٹھاکر مہجر سنگھ — بھمبر سمبت ۱۹۸۳ / ۱۹۰۶ء

۳۰ تاریخ سندھ — ابوظفر ندوی — اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء

۳۱ تاریخ فخرالدین مبارک شاہ (مرتبہ ایڈورڈ ڈینیسون) — لندن ۱۹۲۷ء

۳۲ تاریخ فرشتہ — محمد قاسم ہندو شاہ — نول کشور پریس لکھنؤ ۱۲۸۱ھ

۳۳ تاریخ فیروز شاہی — ضیاء الدین برنی (سرسید الدین) — کلکتہ ۱۸۶۲ء

۳۴ تاریخ قوم پنجابی سوداگران — نسیم احمد باغ پتی — کراچی ۱۹۶۶ء

۳۵ تاریخ کچھ و مکران مع حالات قوم میمناں — مرزا محمد کاظم برلاس — صدیقی پریس مرادآباد

۳۶ تاریخ گوجر (پانچ جلد) — رانا حسن علی چوہان گوجر — کراچی ۱۹۶۰ء

۳۷ تاریخ میوات — مولوی عبدالشکور میواتی — دہلی ۱۹۱۹ء

۳۷ تبلیغی جماعت — راشد القادری — جمشید پور ۱۳۷۹ھ

۳۸ تبلیغی کام — —— — کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۶۶ء

۳۹ تحریک ارتداد کی مجمل تاریخ — سید غلام بھیک نیرنگ — الماس پریس دہلی سنہ ۱۹۲۳ء

۴۰ تذکرہ چہار مشائخ — ابوالاحسان — منٹگمری

۴۱ تذکرۃ العابدین امداد العارفین — نذیر احمد دیوبندی — دہلی سنہ ۱۳۳۳ھ

۴۲ تذکرہ علماء ہند (رحمٰن علی)، مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی سنہ ۱۹۶۱ء

۴۳ تذکرہ غوثیہ — مرتبہ گل حسن قادری — اللہ والے کی قومی دوکان لاہور

۴۴ تذکرہ قوم کوکنی — عبدالحمید خان بوبیرے — بمبئی سنہ ۱۹۲۶ء

۴۵ تذکرۃ المتقین فی احوال خلفائے سید بدیع الدین (جلد دوم) مولوی امیر حسن مداری۔ کانپور سنہ ۱۳۲۳ھ

۴۶ تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین — غلام زین العابدین — مطبع پرنٹنگ کمپنی اجمیر سنہ ۱۸۹۰ء

۴۷ تواریخ راجپوتان دوآبہ جالندھر (حصہ اول) ۔ نگینہ رام پرمار لاہور سمبت ۱۹۶۵ / ۱۹۰۸ء

۴۸ جامع الفتاوی (تحفۂ مرادیہ) مولوی مراد علی — مطبع چراغ راجستھان اجمیر سنہ ۱۸۸۶ء

۴۹ چچ نامہ — علی ابن حامد کوفی (مرتبہ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ) حیدر دکن سنہ ۱۹۳۹ء

۵۰ چھ باتیں — مولانا عاشق الٰہی بلند شہری — کتب خانہ ترقی اردو دہلی سنہ ۱۹۶۶ء

۵۱ حالات مشائخ کاندھلہ — مولوی احتشام الحسن — دہلی سنہ ۱۳۸۳ھ

۵۲ حضرت مولانا محمد الیاس اور انکی دینی دعوت ۔ ابوالحسن علی ندوی — لکھنؤ سنہ ۱۹۵۵ء کراچی سنہ ۱۹۶۵ء

۵۳ خزینۃ الاصفیاء — مفتی غلام سرور لاہوری — نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۴ء

۵۴ خطبہ استقبالیہ جمعیت شبان المسلمین — حکیم معظم علی خان — آنولہ سنہ ۱۹۴۵ء

۵۵ دیانند پرکاش — ستیانند (ترجمہ سدرشن) — لاہور سنہ ۱۹۲۴ء

۵۶ ڈسکوری آف انڈیا — جواہر لال نہرو — کلکتہ سنہ ۱۹۴۶ء

۵۷ ست دھرم وچار — —— — آریہ کمپنی پریس لاہور

۵۸ سفینۂ رحمانی — عبدالرحمٰن حسرت — نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۸۴ء

۵۹ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات — خلیق احمد نظامی — دہلی سنہ ۱۹۵۸ء

۵۹ ستیارتھ پرکاش — دیانند سرسوتی — آریہ پترکا پریس لاہور ۱۸۹۹ء

۶۰ سلطان التارکین — احسان الحق فاروقی — کراچی ۱۹۶۳ء

۶۱ سوانح حضرت جی — مفتی عزیز الرحمٰن — دہلی ۱۹۶۶ء

۶۲ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی۔ سید محمد ثانی لکھنؤ ۱۹۶۷ء

۶۳ سیر الاولیاء — مبارک العلوی — مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ

۶۴ سیر العارفین — حامد بن فضل اللہ جمالی — مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۱ھ

۶۵ شروانی نامہ — عباس خاں شروانی — علی گڑھ ۱۹۵۳ء

۶۶ صولتہ الضیغم — عباس علی جاجوی — مطبع سنگیں لکھنؤ ۱۲۵۸ھ

۶۷ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) (دو جلد) مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۰-۶۱ء

۶۸ علیگڑھ تحریک اور قومی نظمیں محمد ایوب قادری و سید الطاف علی بریلوی۔ کراچی ۱۹۷۰ء

۶۹ فتاویٰ عزیزی — شاہ عبدالعزیز دہلوی — مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ

۷۰ فتوح البلدان — احمد ابن یحییٰ بلاذری — بیروت ۱۹۵۷ء

۷۱ فرنگیوں کا جال — امداد صابری — دہلی ۱۹۴۹ء

۷۲ قدیم مسلم راجپوت — محمد یوسف خاں چوہان — کراچی ۱۹۶۰ء

۷۳ قول حق — اکبر شاہ نجیب آبادی — نظامی پریس بدایون ۱۹۴۵ء

۷۴ کاغذات متعلقہ وقف جائداد رکن الدولہ نواب محمد — اشرف المطابع میرٹھ
عظمت علی خاں بہادر رئیس کرنال و مظفر نگر

۷۵ کچھ شکستہ داستانیں۔ کچھ پریشان تذکرے — اشرف عطا — سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۱۹۶۶ء

۷۶ کشمیر میں اشاعت اسلام — سلیم خاں گمی — پشاور ۱۹۶۶ء

۷۷ کلیات آریہ مسافر — لیکھرام — ہردوار ۱۹۰۴ء

۷۸ گفتگوئے مذہبی (میلہ خدا شناسی) مولانا محمد قاسم نانوتوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۲ھ

۷۹ مآثر الاجداد منظور الحق صدیقی لاہور ۱۹۶۴ء

۸۰ ماثر الامراء (۳ جلد) از صمصام الدولہ شاہنواز خاں مترجمہ محمد ایوب قادری۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۷۰-۱۹۶۸ء

۸۱ مباحثہ شاہجہانپور مولانا محمد قاسم نانوتوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۰۴ء

۸۲ مباحثہ موضع رسول پور محمد اکرام سہسوانی النذیر پریس میرٹھ ۱۹۰۴ء

۸۳ مباحثہ موضع کسیر مرتبہ حمید اللہ خاں گنوری فیض عام پریس میرٹھ ۱۳۱۶ھ

۸۴ مخدوم جہانیاں جہاں گشت محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۳ء

۸۵ مرأۃ الانساب ضیاء الدین امروہوی مطبع رحیمی جے پور ۱۹۱۸ء

۸۶ مرقع کانفرنس مرتبہ انوار احمد زبیری علی گڑھ ۱۹۳۵ء

۸۷ مرقع یوسفی مقدمہ از محمد ایوب قادری مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹۶۷ء

۸۸ مسلمان اور نظریہ شرافت سید رفیق مارہروی نظامی پریس بدایون ۱۹۵۲ء

۸۹ مسلمان اور ہندوستانی یوروج۔ ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ ۱۹۶۱ء

۹۰ معین الارواح خادم حسن زبیری آگرہ ۱۹۵۲ء

۹۱ مقالات شبلی حصہ علامہ شبلی نعمانی اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء

۹۲ مکاتیب مولانا محمد الیاس مرتبہ ابوالحسن علی ندوی دہلی ۱۹۶۵ء

۹۳ مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی مرتبہ عاصم نعمانی ایوان ادب لاہور ۱۹۶۷ء

۹۴ ملفوظات مولانا محمد الیاس محمد منظور نعمانی لکھنؤ ۱۹۶۹ء

۹۵ ملکہ مشرق (تاریخ کراچی) محمودہ رضویہ کراچی ۱۹۴۷ء

۹۶ منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی کلکتہ ۱۹۶۸ء

۹۷ منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی لکھنؤ ۱۸۷۴ء
(اردو ترجمہ مولوی احتشام الدین)

۹۸ منتخب اللباب محمد ہاشم خافی خاں کلکتہ ۱۸۷۲ء

۹۹	میرے زمانے کی دلی	ملا واحدی	کراچی ۱۹۵۶ء
۱۰۰	نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش	محمد منظور نعمانی	بریلی ۱۳۶۳ھ
۱۰۱	واقعات قوم قائم خانی	مولوی عطا محمد خاں	دہلی ۱۹۳۱ء
۱۰۲	ولی کامل (سوانح مولانا محمد زکریا)	مفتی عزیز الرحمٰن	بجنور ۱۹۶۹ء
۱۰۳	ہادی ہریانہ (سوانح شاہ رمضان)	منظور الحق صدیقی	لاہور ۱۹۶۳ء
۱۰۴	ہفت تماشائے قتیل	محمد حسن قتیل فریدآبادی	نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۵ء
۱۰۵	ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں	پروفیسر پریتم سنگھ	لاہور ۱۹۴۱ء
۱۰۶	ہندوستان عربوں کی نظر میں	—	دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء
۱۰۷	ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر	صباح الدین عبد الرحمٰن	اعظم گڑھ ۱۹۶۴ء
۱۰۸	یادِ رفتگان	علامہ سلیمان ندوی	کراچی ۱۹۵۵ء
۱۰۹	یادگار مراد علی	مولوی مراد علی	مطبع چراغ راجستھان اجمیر ۱۳۱۶ھ

رسائل و جرائد

۱	الفرقان لکھنؤ		جمادین ۱۳۶۳ھ
۲	الفرقان لکھنؤ		شعبان ۱۳۶۳ھ
۳	الفرقان لکھنؤ	(مولانا محمد یوسف نمبر)	ستمبر ۱۹۶۵ء
۴	بصائر کراچی		جنوری ۱۹۶۶ء
۵	منادی، دہلی	ماہنامہ	شمارہ ۵ جلد ۴
۶	میمن عالم، کراچی		جون ۱۹۰۰ء
۷	ندائے ملت لکھنؤ		۹ اپریل ۱۹۶۵ء

[تم جمہور]